زکوٰۃ ادانہ کرنے کے بارے میں وعید

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ، لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا، إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ، صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ، فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَيُكْوَى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِينُهُ وَظَهْرُهُ، كُلَّمَا رُدَّتْ أُعِيدَتْ لَهُ ﴾ [مسلم، رقم: ۹۸۷]

''جس کے پاس سونا اور چاندی ہو اور اس کی زکوٰۃ ادانہ کرے، تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی تختیاں بنائی جائیں گی، اور دوزخ کی آگ میں ان کو گرم کر کے پھر اس کے دونوں پہلوؤں، پیٹھ، پیشانی کو داغا جائے گا، اور جب یہ ٹھنڈی ہو جائیں گی، تو پھر ان کو گرم کر کے ان سے اس کو داغا جائے گا۔''

نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کی فضیلت ❸

اسی طرح نبی کریم ﷺ پر درود وسلام پڑھنے کا انتہائی اہم وقت اور مؤکد موقع جب بھی آپ ﷺ کا ذکر مبارک کسی مجلس میں یا کسی بھی جگہ پر ہو تو اس وقت نبی ﷺ پر درود پڑھنا ضروری ہے۔

کیوں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سب سے بڑا بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا نام آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ)) [ترمذی: ٣٥٤٦]

''وہ شخص بخیل ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے تو وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

اور جب بھی کوئی آدمی دعا کرتا ہے اس میں حمد وثناء کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ پڑھے تو وہ دعا قبول نہیں ہوگی۔ کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز اللہ کے رسول ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اس نے نماز پڑھی اور دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ

''اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔''

یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اے نمازی! تم نے عجلت کی جب تم نماز پڑھ کر بیٹھو تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرو، مجھ پر درود بھیجو، پھر دعا کرو۔

پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے سکون کے ساتھ نماز پڑھی پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی اس کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو نبی ﷺ نے اسے فرمایا: اے نمازی! دعا کر قبول ہوگی۔ [ترمذی:٣٤٧٦]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

" اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی تُصَلِّیَ عَلٰی نَبِیِّکَ ﷺ۔"

[ترمذی: ٤٨٦]

''بے شک دعا زمین وآسمان کے درمیان رُکی رہتی ہے اس میں سے کچھ بھی قبولیت کے لیے اوپر نہیں چڑھتی جب تک کہ تم اپنے نبی کریم ﷺ پر درود شریف نہ بھیجو۔'' [جاری ہے]

[ابوعمار عبدالرحمٰن بلتستانی]

فہرست

جمعۃ المبارک کی فضیلت

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ [الجمعة: ۹]

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔''

جمعۃ المبارک کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰی رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرَ ۔

[مسلم، رقم: ۲۳۳]

''ہر نماز گزشتہ نماز تک کے، جمعہ ہفتہ بھر کے اور رمضان سال بھر کے، گناہوں کا کفارہ ہیں بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔''

اذان کے بعد دعا کرنے کی فضیلت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اذان سن کر کہا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ ۔[بخاری: ٦١٤]

''اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقامِ محمود پر فائز کر دے جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔''

اسے روزِ قیامت میری شفاعت نصیب ہوگی۔

اسلام ہی مکمل دین ہے

اداریہ ════ حافظ احمد شاکر

تاریخ انسانی تعلّی وتفوّق اور تغلّب وتحکّم یعنی دوسروں پر بلند مرتبی، برتری، غلبہ پانے اور حکم چلانے کے لئے جنگ وجدال اور فساد وقتال کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔گزشتہ صدی میں روس کی سعی ملک گیری ایک طوفان کی طرح اٹھی تھی جو بزعم خویش اپنے دامن میں ایک انقلابی فکر...... کیمونزم وغیرہ......رکھتی تھی یہ تحریک جو غریب کی ہم دردی کے نام پر اٹھی، بڑھی اور پھیلی لیکن اس کے اندر کا شیطان اصل میں مذہب بیزاری تھا جسے فطرت کے خلاف جنگ کا مترادف بھی کہا جاسکتا تھا اور یہی نکتہ اس تحریک کا بوداپن تھا جس وجہ سے کم وبیش ستر ہی سال میں یہ فکر اور انقلاب دھڑم سے زمین پر آن گرا کیونکہ وقت نے ثابت کردیا کہ غریب انسان کی ہمدردی اور ذاتی ملکیت کا اختتام مذہب بیزاری ہی کے یہ سب لبادے تھے ان بوڑ رواؤں کا اصل مقصد ملک گیری یعنی چھوٹے چھوٹے پسماندہ ممالک کو پسماندگی کا احساس دلا کر اور اندھیروں میں سبز باغ دکھا کر ان کو ہڑپ کرنا تھا جب یہ غریب وپسماندہ ممالک ان کے شکنجے میں آجاتے تو ان کی بے بسی دیکھنے وبے کسی کا مداوا کرنے والا کوئی نہ ہوتا تھا۔تا آنکہ ریت کی بنیادوں پر کھڑا کیا جانے والا یہ فکر اور نظریہ صرف ستر سال بعد ہی زمین بوس ہوگیا۔

روس کی شکست وریخت ہوئی تو اس کی شامت اعمال کے سبب جذبہ کام آیا مسلمانوں کا اور سمجھا امریکہ نے یہ سب کچھ اس کی پالیسیوں سے ہوا چنانچہ شکست روس ہی کے دنوں میں اس نے نیوورلڈ آرڈر دنیا میں متعارف کرایا بلکہ دنیا میں اس کو واجب العمل قرار دیکر اس کو پھیلایا اور مختلف اوقات کے اخبارات میں آمدہ تجزیوں اور تبصروں نے یہ بات عام کردی بلکہ دلائل سے ثابت کردی کہ امریکہ نے روس کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف جان کر مسلمانوں کی مخالفت کو امریکی حکومت بلکہ صلیبی ذہنیت نے اپنا مقصد قرار دیکر مہم جوئی شروع کردی ہے۔مسلم کشی اور مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی تو اس نے ایک عرصہ سے شروع کرا رکھی تھی لیکن مسلمان ممالک میں براہ راست دخل اندازی بلکہ فوج کشی کی اس نے شکست روس کے بعد ہی باقاعدہ جرأت کی،عراق کویت جنگ،سوڈان پر میزائل حملہ اور افغانستان پر میزائل حملہ عراق کے اندر سو فیصد جھوٹی رپورٹوں کی بنیاد پر کاروائی 9/11 کا ڈرامہ 7/7 کا افسانہ یہ سب کچھ اس کے بغض مسلم کے آئینہ دار اور اس کی خواہش وسعت پذیری کے مظاہر تھے حالانکہ روس کا...... جسے وہ اپنا کارنامہ سمجھ رہا تھا......انجام اس کے سامنے ہوا لیکن اس نے عبرت پکڑنے کی بجائے اس کو فتح کا پھریرا بنا کے لہرانا شروع کردیا۔اپنے معمولی اور بہت ہی معمولی علم ومشاہدہ کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح روس کا فکر اور نظریہ بودا اور بے بنیاد تھا اس طرح امریکہ اور مغرب کا بھی نظریہ سرمایہ داری یعنی کیپٹل ازم کا بودا ہونا، دنیا بھر کے مختلف بینکوں کے دیوالہ ہونے اور معاشی اتھل پتھل نے، ثابت کردیا ہے لیکن اس کے باوجود امریکا کی ہوس وسعت پزیری کسی پل اسے چین نہیں لینے دے رہی۔

افسوس ناک حیرت اس بات پر ہے کہ دنیا کے اکثر مسلم ممالک بھی تقلیداً، جبراً یا شعوراً اسی نظام کو اپنائے ہوئے ہیں۔باوجود اس کے کہ اسلام میں انسانی ضروریات دینی، اخلاقی، معاشرتی، اقتصادی، معاشی اور سیاسی اصول وضوابط ان کی نصوص......شرعی دلائل......احکامات واجبات تمام فروعات کے ساتھ موجود ہیں۔لیکن مسلم ممالک کے حکمران ہیں کہ یہ ابھی تک امریکا کے کھونٹے سے بندھے ہوئے ہیں۔ان حکمرانوں کو یقیناً علم

ہے کہ کیمونزم کی طرح کیپیٹل ازم پر بھی زوال یقینی بلکہ شروع ہو چکا ہے کہ اس کی بنیاد ہی سود پر ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ **یمحق الله الربی** فرما چکا ہے کہ اس نے آخر مٹنا ہی مٹنا ہے۔

ایک المیہ یہ بھی ہے کہ پاکستان میں اسلامی بینکاری کے نام سے کئی بینک میدان میں آچکے ہیں جس کے مفتیان عظام **ابواب الحیل** سے کئی راستے نکالتے، گنجائشیں دریافت کرتے اور لفظوں کے ہیر پھیر سے سادہ لوح مسلمانوں کا سرمایہ سمیٹ رہے ہیں لیکن بینکنگ کے بنیادی اصول...... No risk ...... کے مطابق کوئی اسلامی بینک کسی قسم کا خطرہ خود مول نہیں لیتا۔ بینک کے لئے نفع ہی نفع ہے نقصان کے سب امکانات سرمایہ کار کے لیے ہوتے ہیں۔ اپنی ذاتی دلچسپی کے باعث کئی سال سے مختلف بینکاروں، ان کے مشیروں اور ملازمین سے معلومات کے باوجود خلاصہ ہم نے وہی سمجھا جو سطور بالا میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ نفع بینک کے لئے اور خطرہ سرمایہ کار کے لئے۔ یہ تھوڑی سے تفصیل اپنی بات واضح کرنے کے لیے بیان کی گئی ہے۔ سوال اٹھتا ہے کہ اس کا حل کیا ہے؟ اس پر گفتگو کرنے کے لئے ہمیں اسلام اور کیپٹل ازم کے بنیاد کے اصول معاشرت پر غور کرنا ہوگا۔ مسلمان کی جس طرز حیات کی طرف اسلام نے راہ نمائی کی ہے وہ ہے **کن فی الدنیا کانك غریب او عابری سبیل** ''کہ دنیا میں......دل لگا کر نہیں......اجنبیوں کی طرح رہو یا مسافر کی طرح۔'' یعنی کم از کم اشیاء پر گذارہ اور جو بچ جائے وہ اللہ کی راہ میں (دیکھئے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹) اللہ کی راہ سے مراد درجہ بدرجہ، رشتہ دار، پڑوسی، محلے داروں اور رشتہ داروں کے بعد عامۃ المسلمین کے مساکین (مسکین شرعاً اس کو کہا جاتا ہے جس کی آمدن گذارے کے لئے ناکافی ہو) جب کہ کیپٹل ازم کا اصول اور تھیوری یہ ہے بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست، کہ اپنے لئے ضرورت سے آگے جو بھی سہولت اور آسانی ہو وہ ضرور حاصل کرو۔ آمدن اجازت نہ دے تو معمولی سود کے نام پر بینکوں سے قرض لو۔ اس طرح اشیاء تعیش بھی ''معمولی ماہانہ قسطوں'' پر بینکوں سے لے لو، اس مغربی طرز حیات نے انسانیت کے لئے دنیا کو جہنم بنا دیا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام ایک چیز کو مفت میں متعارف کراتا ہے اور انسانوں کو اس کا عادی بناتا ہے۔ اور جب اس عادت کو لوگ ضرورت بنا لیتے ہیں پھر ان کی کھال کھینچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس کی کوئی ایک مثال دینے کی ضرورت نہیں سب کچھ ہمارے سامنے ہے۔ پھر ان مصنوعی ضرورتوں کی میڈیا پر تشہیر کر کے ان کی قیمتوں میں اضافہ کر کے صارف کی جیب کے علاوہ اس کے تن کے کپڑے تک نوچ لئے جاتے ہیں اس طرز حیات سے **ھم ، حزن، جبن، کسل** اور **غلبة الدین** کا ہم شکار ہو جاتے ہیں جس سے پناہ مانگنے کی ہدایت نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کو آج سے چودہ سو سال پہلے فرما چکے ہیں۔ ہم میں سے ہر فرد ذرا اپنے آپ میں جھانکے کیا امیر کیا غریب، کیا عالم کیا جاہل، کیا دین دار کیا بے دین، اور کیا صالح اور کیا غیر صالح سہولتوں اور آسانیوں کی اس دوڑ میں پیچھے رہنے کو کوئی بھی تیار نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصحاب علم دانش مل بیٹھ کر جہاں اس فکر......سہولت و آسانی......کی اصلاح کی علماً و عملاً طویل المیعاد منصوبہ بندی کریں وہاں اگر ممکن ہو سکے تو دل درد مند رکھنے والے بیورو و کریٹس ملٹی نیشنل کمپنیوں کی حوصلہ شکنی کی جرأت مندانہ پالیسی بنا کر...... ہر آنے اور جانے والی......حکومت کو اس کے مضرات بلکہ مہلک اثرات سے دھیرے دھیرے باخبر کر کے اس کو سلجھانے اور اس پالیسی کو لاگو کرانے میں اگر کامیاب ہو جائیں تو پھر وطن عزیز کی سیاسی اور معاشی صورت بہتر ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے: **ان الله لایغیر مابقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ۔**

وگرنہ یہ ایک ایسی دلدل اور خوفناک گڑھا ہے جس میں ہم دھنستے ہی چلے جائیں گے۔ ہر فرد اور خاندان ۱۰ سال پہلے سے اپنے گھر کے بجٹ کا موازنہ مہنگائی کے تناسب کے باوجود کرے تو اس میں موبائل، پٹرول، لیز کی گاڑیاں، ریفریجریٹر، اے سی، ایئر کولر اور مشینری کا عملی دخل اس قدر نظر آئے گا کہ غور و فکر کرنے والا سر پکڑ کر بیٹھ جائے گا اور یہ سب کارنامے ہیں ہماری سہل پسندی اور آسانی کے تقاضوں کے اور اسی کا نام ہے کیپٹل ازم۔

محمد عبیداللہ خاں عفیف، دارالافتاء المحمدیہ، رحمت ٹاؤن۔فیصل آباد
حافظ ثناء اللہ خان المدنی

سوال: میں اپنی زندگی میں اپنی خاندانی جائیداد اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرنا چاہتا ہوں۔

جائیداد: ۴۵ کنال اراضی (زرعی)

رشتہ دار: بیٹی (لے پالک)، بیوی، حقیقی بہن (ایک)، سوتیلی بہنیں (دو)، اور سوتیلا بھائی (ایک)، یہ بہنیں میری سوتیلی والدہ سے ہیں۔ تین حقیقی بہنیں فوت ہو چکی ہیں۔

جواب: صورت مسئولہ واضح رہے کہ قانون وراثت ترکہ میں چلتا ہے یعنی ترکہ سے مراد وہ مال اور جائیداد مراد ہے جو مرنے والا چھوڑ کر مرتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر:۱۱، میں

﴿ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ ﴾

اور آیت:۱۲، میں

﴿ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ اور اسی طرح فرمایا: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ﴾

سے واضح ہے۔ لہٰذا اگر سائل اپنی زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنا چاہے تو اس میں قانون ہبہ لاگو ہے اور قانون ہبہ وہ مختار ہے جس کو جتنا چاہے دے سکتا ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اپنے شرعی ورثاء کو محروم کرنا یا نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ اگر وہ انتقامی جذبہ یا فطری محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے کسی وارث کو محروم یا نقصان کے لیے ایسا کرے گا تو وہ ظالم قرار پائے گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت بشیر ؓ کو فرمایا تھا: لَا أَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ۔ جب انھوں نے اپنے دوسرے بیٹوں کو نظر انداز کر کے حضرت لقمان کے نام کچھ مال ہبہ کر دیا تھا۔ ملاحظہ ہو صحیح البخاری، باب لا یشهد علی شهادة جور اذا اشهد، ج:۱، ص:۳۶۱۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں وہ اپنی جائیداد ہبہ کر سکتا ہے بشرطیکہ کسی شرعی وارث کو محروم کرنا یا نقصان پہنچانا اس کی نیت میں شامل نہ ہو ورنہ عنداللہ مجرم ہوگا۔ ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرعی نقطہ نظر سے بیچ اس مسئلہ کے (قرآن و حدیث)

① مسجد قدس بحریہ ٹاؤن ساہیوال میں دو کنال پر مغربی جانب مسجد ہال، لائبریری اور طلباء کے پڑھنے کا کمرہ وغیرہ اور مشرق میں کچھ کمرہ جات طلبا کے رہنے کے لیے ہیں۔ شروع میں ایک بجلی کا میٹر تھا جب بجلی جاتی تو دقت ہوتی کچھ عرصہ بعد انتظامیہ نے مشرقی جانب جو بجلی کا فیڈر رہے اس سے میٹر لگوایا اور یہ کمرہ جات کے لیے برآمدہ میں لگا ہوا ہے۔ شروع میں دونوں میٹر کے بجلی کے بل کی ادائیگی مسجد کیا کرتی تھی۔

اپریل ۲۰۰۸ء میں اس ادارہ نے قرآن پاک کے حفظ کے مدرسہ کا اجراء کیا اور طلبا ان کمرہ جات میں رہنے لگے۔ ان کے لیے فرنیچر خریدا گیا جو ایک کمرہ میں موجود ہے۔ لیکن طلبا پڑھتے مسجد میں ہیں اور موسم گرما اور سرما میں سوتے بھی مسجد کے ملحقہ کمروں میں ہیں۔ نیز موسم گرما میں طلبا جب مسجد کے صحن میں سوتے ہیں تو ۴، ۵ پنکھے بھی تمام رات چلتے ہیں۔ لہٰذا بجلی کے علیحدہ علیحدہ بل کی ادائیگی ایک مسجد کرتی ہے اور جو کمرہ

جات میں میٹر لگا ہوا ہے اس کی ادائیگی درس کے فنڈ سے کی جاتی ہے۔

مسجد میں Change over switch (ایک میٹر سے دوسرے میٹر کی طرف بجلی کی تبدیلی) بھی لگا ہوا ہے۔ تاکہ جب مسجد کی بجلی چلی جائے تو دوسرے فیڈر سے بجلی حاصل کر لی جائے تاکہ مسجد روشن رہے، نمازیوں اور طلبا کو پڑھنے میں دقت نہ ہو۔

لیکن بجلی کے ان دو میٹر کی تقسیم تقریباً برابر تو ہو سکتی ہے لیکن صحیح صحیح کتنا خرچ کس کا ہے یہ ممکن نہیں اس لیے چند احباب کا خیال ہے کہ مدرسہ کی بجلی کی رقم زکوٰۃ وغیرہ سے ادا ہوتی ہے اس لیے مسجد پر اگر خرچ ہوگی تو گناہ گار ٹھہریں گے۔

لہٰذا شرعی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کا حل بتائیں عملاً مسجد کی انتظامیہ کا خیال ہے کہ مسجد صرف پانچ وقت کی نماز کے دوران بجلی استعمال کرتے ہیں جب کہ طلبا صبح نماز سے قبل پڑھنا شروع کرتے ہیں اور کچھ وقفہ ظہر کی نماز سے قبل اور عصر اور مغرب کے دوران چھٹی اور رات ۹، ۱۰ بجے تک پڑھتے ہیں اور موسم گرما میں پڑھائی کے ایام کے علاوہ تمام رات پنکھوں کا استعمال بھی ہوتا ہے۔ لیکن درس کی انتظامیہ کے چند افراد اس مسئلہ کو اچھال کر بدامنی/ بدانتظامی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

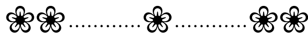
انتظامیہ کا خیال ہے کہ جو دو میٹر پر نصف نصف بجلی جلائیں تاکہ بل کی ادائیگی بھی برابر برابر رہے۔ نیا میٹر لگوانا اور طلبا کو پڑھنے اور سونے کے لیے الگ الگ کرنا مشکل ہے۔ [عبدالحمید ناظم مسجد قدس]

جواب: ① مسجد زکوٰۃ کے مصارف میں شامل ہے یا نہیں۔ بلاشبہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ کچھ اہل علم مسجد پر زکوٰۃ صرف کرنے کے جواز کے قائل ہیں تاہم جمہور علماء اہل حدیث کے دائر سائر فتویٰ کے مطابق مسجد زکوٰۃ کے مصارف میں شامل نہیں۔ اور احتیاط بھی اسی میں ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ پیسہ مسجد پر صرف نہ کیا جائے۔ تاہم اشد ضرورت کے موقعہ پر احقر جواز کا قائل ہے۔ امام غزالی، فقیہ قفال مروزی، سید نواب صدیق حسن خاں اور شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری رحمہم اللہ بھی جواز کے قائل ہیں۔

② آپ کے سوالنامہ کی تصریح کے مطابق متنازعہ فیہ مدرسہ کے طلبا اس مسجد کے ملحقہ کمرہ میں رہائش پذیر ہیں اور موسم گرما میں مسجد کے صحن ہی میں سوتے ہیں، جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ مسجد کا ذیلی ادارہ ہے۔ اگر واقعی یہ مدرسہ مسجد کا ذیلی ادارہ ہے تو بجلی کے بلوں پر ان لوگوں کا نزاع اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا۔

③ اگر یہ مدرسہ مسجد کا ذیلی ادارہ نہیں تو پھر احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا میٹر اس طرح لگوا لیا جائے جس کا مسجد کے ساتھ کسی طرح کا ادنیٰ تعلق بھی نہ ہو۔ اور ایسا کرنا کوئی مشکل اور لاینحل مسئلہ ہرگز نہیں۔ جب تک ایسا نہیں ہو سکتا اس وقت زکوٰۃ کا پیسہ مسجد کے بل میں شامل ہو جانے میں راقم کے نزدیک کوئی حرج نہیں کہ بالآخر مسجد بھی فی سبیل اللہ ہی میں شامل ہے۔

جواب تو ہو چکا ہے مگر میں آپ کا ذہن صاف کرنے کی غرض سے کہتا ہوں ایک مدرسہ کا پلاٹ مال زکوٰۃ سے خرید کردہ ہے اور اس پلاٹ پر طلبہ اور محلّہ کے نمازیوں کے لیے مسجد تعمیر کی جاتی ہے اور متعدد مدارس تعمیر ہو چکے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس مسجد کا شرعی حکم کیا ہے کیا اس مسجد کو سچ مچ مسجد کا حکم حاصل ہے یا نہیں۔ اور پڑھی جانے والی نمازوں کا کیا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے مسجد ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں تو پھر موجودہ متنازعہ بامر مجبوری چند ایک روپے مسجد پر صرف ہوتے ہیں تو اس سے نہ آسمان ٹوٹ پڑے گا اور نہ زمین میں دراڑیں پڑیں گی۔ فافہم ولا تکن من القاصرین۔ ہذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم [مفتی محمد عبیداللہ خان عفیف]



سوال: آج کل مسجد میں کرسیاں رکھی ہوتی ہیں جن پر لوگ بیٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ سجدہ کرتے وقت اپنی پیشانی تختی پر رکھتے ہیں۔ ہمارے ہاں کچھ لوگ کہتے ہیں تختی پر سجدہ نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سجدہ ہو جاتا ہے؟

جواب: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ لکڑی پر سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ فرمایا اشارے سے نماز پڑھے، ملاحظہ ہو المغنی [۲/۵۷۶]

بناء بریں تختی پر سجدہ کرنے سے بچنا چاہیے۔ واضح ہو کہ کرسیوں پر بیٹھنے کے بجائے کوشش کرنی چاہیے کہ نماز زمین پر بیٹھ کر پڑھی جائے تاکہ صف بندی میں خلل واقع نہ ہونے پائے۔

سوال: علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اپنی مایہ ناز کتاب مختصر احکام الجنائز (مترجم: شبیر بن نور، نظر ثانی سید بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ)

کے ص:۱۲۶، پر حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرتے ہیں کہ خیبر کے دن ایک صحابی وفات پا گیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: صلوا علی صاحبکم ۔ یہ سن کر لوگوں کے چہرے اتر گئے ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ان صاحبکم غل فی سبیل اللہ ، جب اس سامان کی تلاشی لی گئی تو اس کے سامان سے ایک موتی نکلا جس کی قیمت دو درہم تھی ۔ [موطا امام مالک، کتاب الجهاد، باب ما جاء فی الغلول، ص: ۲۷۰۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب الصلوة علی من غسل، ج:۱، ص:۲۷۸]

اس حدیث سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اس حکم سے دو طرح کے آدمی مستثنیٰ ہیں ان کی نماز جنازہ ادا کرنا فرض نہیں ۔

①...... نابالغ بچہ: اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرزند ابراہیم کی نماز جنازہ ادا نہیں کی جب کہ ان کی عمر اٹھارہ ماہ تھی ۔ [سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز باب فی الصلوة علی الطفل، ج:۲، ص:۴۵۴]

ابراہیم بن محمد ﷺ نے کون سی خیانت کی تھی جس بنا پر جنازہ نہ پڑھایا گیا ۔ حالاں کہ اس حدیث کے ذیل میں حضرت وائل بن داؤد کی روایت میں ہے کہ

لما مات ابراهيم بن النبى صلى عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم فى المقاعد۔ الحديث [حواله مذكور]

②...... سنن ابن ماجہ میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرزند ابراہیم کا جنازہ پڑھایا اور فرمایا:

ان له مرضعا فى الجنة ولو عاش لكان صديقا نبيا۔ [سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى الصلوة على ابن رسول الله ﷺ وذكر وفاته، ص:۱۰۸]

پھر ص:۱۲۷، پر ارقام فرماتے ہیں کہ حسب ذیل افراد کی نماز جنازہ ادا کرنا شرعاً ثابت ہے ۔

بچہ: اگر چہ نا تمام ولادت ہوئی ہو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی ۔ [سنن ابوداؤد کتاب الجنائز، باب المشی امام الجنازة، ج:۲، ص:۴۵۳۔ وسنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى الصلوة على الطفل، ص:۱۰۸]

نا تمام وہ بچہ ہے جس کے چار ماہ مکمل ہو چکے ہوں اور اس میں روح پھونکی گئی ہو پھر وفات پائے ۔ پھر اس کی وضاحت اور تائید کے لیے تخلیق انسانی کے مدارج کی حدیث (کہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفے کی شکل میں رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن لوتھڑے کی شکل میں، پھر اتنے ہی دن بوٹی کی طرح رہتا ہے، پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے ۔) [الحدیث]

ارقام فرماتے ہیں ۔ [صحیح بخاری، کتاب القدر، ج:۲، ص:۹۷۵۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، ج:۲، ص:۳۳۲]

حالاں کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا استهل الصبى صلى عليه ۔ [سنن ابن ماجه، كتاب الجنائز، باب ما جاء فى الصلوة على الطفل، ص:۱۰۸]

اور سنن الترمذی میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الطفل لا يصلى عليه ولا يرث ولا يورث حتى يستهل ۔ [سنن الترمذى، كتاب الجنائز، باب ترك الصلوة على الطفل حتى يستهل، ج:۱، ص:۱۲۲]

اور صحیح بخاری میں ہے:

اذا استهل صارخا صلى عليه ولا يصلى على من لا يستهل من اجل انه سقطا ۔ [صحيح بخارى، كتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبى، ج:۱، ص:۱۸۱]

ان ہر دو مسائل میں تعارض ہے اقرب الی الصواب کون سی صورت ہے؟ [سائل: عبدالرحمٰن عزیز الہ آبادی، حسین خانوالہ پتوکی]

جواب: واضح ہو کہ علامہ البانی کا مقصود محض نماز جنازہ کے حکم سے استثناء ہے نہ کہ ان کی طرف کسی خیانت کی نسبت ہے ۔ حاشا وکلا نہیں

اور جن روایات میں یہ ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھی ہے ان میں کلام ہے مقال سے خالی نہیں۔ نبی ﷺ کا اس کا جنازہ نہ پڑھنا محض جواز بیان کرنے کے لیے تھا ورنہ آپ سے بچے کی نماز جنازہ پڑھنا بحق ثابت ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں:

اتی رسول اللّٰہ صلی الله علیه وسلم بصبی من صبیان الانصار فصلی علیه ......۔ [الحدیث، صحیح مسلم، نسائی اور مسند احمد وغیرہ]

پھر وہ بچہ جس کی تخلیق مکمل ہو چکی ہو اور ماں کے شکم میں وفات پا جائے اس کی نماز جنازہ مشروع ہے جیسا کہ علامہ موصوف کا ارشاد ہے اور شیخ ابن باز فتح الباری کے حاشیہ پر رقم طراز ہیں:

القول بعدم الصلاة علی السقط ضعیف والصواب شرعیة الصلاة علیه اذا سقط بعد نفخ الروح فیه وکان محکوما باسلامه لانه میت مسلم فشرعت الصلاة علیه کسائر موتی المسلمین ولما روی احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی عن المغیرة بن شعبة ان النبی صلی الله علیه وسلم قال والسقط یصلی علیه ویدعی لوالدیه بالمغفرة والرحمة واسناده حسن والله اعلم ۔ [۳/ ۲۰۱]

اس کے مقابلہ میں جابر کی روایت ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو نصب الرایہ: ۲/ ۲۷۷۔ تلخیص [۵/ ۱۴۶، ۱۴۷۔ المجموع [۵/ ۲۵۵] اور علامہ کی کتاب نقد التاج الجامع [رقم: ۲۹۳] فرمایا وانما صحیح الحدیث بدون ذکر الصلاۃ فیہ جیسا کہ موصوف نے ارواء الغلیل [۷۰۴] میں اس امر کی تحقیق کی ہے۔

اور سنن ترمذی کی حدیث کی وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ارواء الغلیل [۶/ ۱۴۸] اور اخیر میں بخاری کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے یہ زہری کا قول ہے مرفوع روایت نہیں۔ یہاں محقق قول وہی ہے جو پہلے گزر چکا۔ لہٰذا مرویات میں کوئی تعارض نہیں۔

[شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ خان المدنی]

توحید ربوبیت کا تعارف

حافظ مقصود احمد

ہر نبی نے اپنی قوم کے سامنے سب سے پہلے جس کلمے کا اعلان کیا وہ ہے ''لا الٰہ الا اللہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار اس کے معبود ہونے میں غیر اللہ کی عبادت کی نفی، اور صرف ایک اللہ جل جلالہ کی عبادت کا اقرار۔ یہ ہے توحید فی الالوہیت۔

لیکن اس کی دلیل کیا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے؟ باقی وہ معبود جنھیں لوگوں نے اپنا رکھا ہے اور عبادت گاہوں میں سجا رکھا ہے وہ عبادت کے لائق کیوں نہیں؟ ان سب کی نفی کیوں ضروری ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہے۔

ربوبیت کا معنی ساری کائنات کی پرورش کرنا، اسے تخلیق کرنا اور اس کے نظام کو چلانا، قرآنِ مجید کھلا چیلنج کرتا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی ایسی ہستی پیش کر کے دکھاؤ جس نے کائنات کی تخلیق کی ہو، یا کائنات کی کسی چیز کو تخلیق کرنے میں اللہ تعالیٰ کی شریک ہو۔ کوئی بھی قرآنِ مجید کے اس چیلنج کو قبول نہیں کر سکا۔ کائنات کی تخلیق کے بعد اس کے نظام کو چلانے کا مرحلہ آتا ہے تو اس مرحلے میں بھی کوئی اللہ کا شریک و سہیم نظر نہیں آتا، نہ ہی اللہ ربّ العزت کے علاوہ کسی نے ایسا دعویٰ کیا ہے کہ کائنات کے نظام کو چلانے میں اس کا کوئی کردار ہے۔

تو توحید ربوبیت اسی چیز کا نام ہے کہ کائنات کو بنانے والا بھی صرف اللہ رب العزت ہے اور اس کے نظام کو چلانے والا بھی صرف اور صرف وہی ہے۔ قرآنِ مجید اسی توحید ربوبیت کو ایک اللہ کے الٰہ اور معبود ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کر رہا ہے کہ عبادت صرف اور صرف اسی ذات کا حق ہے جس نے کائنات کو بنایا اور جس کے قبضہ قدرت میں اس کائنات کا نظم و نسق ہے۔

یہ بات بالکل سیدھی سادھی اور عقل و فکر میں آنے والی ہے مگر اس کے باوجود اس مسئلے میں اس قدر ناانصافی اور جہالت سے کام لیا جا رہا ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے مسئلے میں اس قدر حقائق سے اعراض کیا گیا ہو۔ جہاں تک توحید ربوبیت کے دلائل کا تعلق ہے تو وہ اتنے قطعی اور وزنی ہیں کہ مشرکین مکہ بھی ان کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے، جیسا کہ قرآنِ مجید ان کے اعتراف کا ذکر ان الفاظ میں کر رہا ہے:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴾ [الزخرف: ۹]

''اگر آپ ان (مشرکین مکہ) سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ انھیں زبردست قوت و طاقت والے اور سب کچھ جاننے والے اللہ نے پیدا کیا۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴾ [الزخرف: ۸۷]

''اگر آپ ان (مشرکین مکہ) سے پوچھیں کہ خود انھیں کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے صرف اللہ نے پھر یہ کیسے الٹے پھیر دیے جاتے ہیں۔''

یہ تو تھا آسمان و زمین اور ان کی اپنی خلقت کے بارے میں مشرکین مکہ کا برملا اعتراف کہ سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآنِ مجید ان کا یہ موقف بھی بیان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف پیدا کرنے میں ہی وحدہ لاشریک نہیں بلکہ ہر چیز کے نظام کو چلانے میں بھی یکتا ہے۔ کوئی اس کا

شریک کار نہیں جیسا کہ سورۃ المومنون میں ارشاد فرمایا:

﴿ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ٥ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ٥ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ يُجِيْرُ وَ لَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴾

[المومنون: ٨٤، ٨٩]

''کہہ دیں زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے بتاؤ اگر تمھیں علم ہے تو جواب میں کہیں گے یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ کہہ دیں پھر تم نصیحت حاصل کیوں نہیں کرتے؟ پوچھیں ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے؟ جواب میں کہیں گے اللہ، کہہ دیں پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ پوچھیں ہر چیز کی سلطنت و بادشاہت کس کے قبضہ قدرت میں ہے؟ اور وہ بچا سکتا ہے اس کے برعکس اور کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا، اگر تمھیں علم ہے تو بتاؤ، کہیں گے صرف اللہ، ان سے کہیں پھر کیسے تم مدہوش ہو رہے ہو۔''

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت کو مانتے تھے، اس کے باوجود انھیں مشرک اور کافر کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ وہ توحید الوہیت کے قائل نہ تھے۔ یعنی صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا، اسے الٰہ اور معبود جاننا اور عبادت کے تمام کام صرف اس کی رضا کے لیے بجالانا یہ ہے توحید الوہیت۔ جس کے اقرار کے بغیر کوئی شرک سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ رب العزت یہ گوارا نہیں کرتا کہ اس کے خالق و مالک ہونے کا اقرار تو کیا جائے مگر عبادت کے وقت اوروں کو بھی شریک کرلیا جائے۔ قرآن مجید یہی نکتہ سمجھا رہا ہے کہ جو خالق ہے وہی معبود ہونے کا حق رکھتا ہے۔ سجدہ اور دیگر عبادات صرف اور صرف اسی کو روا ہیں، جو خالق بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ معبود بننے یا کہلانے کا حق بھی نہیں رکھتا۔

جو عبادات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ اوروں کو بھی حصہ دار سمجھتے تھے۔ انھیں چاہیے تھا کہ کوئی ایسی دلیل ڈھونڈ لاتے جس سے سب کو پتا چل جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور بھی کوئی ایسا ہے جو آسمان جیسا اور آسمان بنا سکتا ہے۔ اگر چاہے تو زمین بھی پیدا کرکے دکھا سکتا ہے، اگر چاہے تو ایک کی بجائے دو سورج طلوع کرسکتا ہے، رات کی تاریکیوں کو کم کرنے کے لیے ایک چاند کا اور اضافہ کرسکتا ہے۔ اتنے زیادہ بزرگوں اور بتوں کی پوجا کرنے والے مشرک کسی ایک بزرگ کو تو پیش کرکے دکھا دیتے کہ اس میں خالق بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ لہٰذا ہم اسے اس دلیل کی بنیاد پر الٰہ اور معبود سمجھتے ہیں، اور عبادت کے وقت اس کے سامنے جھکتے اور سر عجز و نیاز رکھتے ہیں۔

لیکن ریکارڈ پر ایسا کوئی دعویٰ موجود نہیں کہ کسی نے خالق و مالک ہونے کا اعلان کیا ہو۔ قرآنِ مجید نمرود کا ذکر کرتا ہے جس نے اپنی بیوقوفی کی بنا پر کہا تھا (انا احیی و امیت) میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ درحقیقت وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کو ہی نہیں سمجھ سکا تھا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا جس سے اس کی عقل ٹھکانے آ گئی۔ وہ سوال تھا:

﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ [البقرة: ٢٥٨]

''اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو مغرب سے طلوع کرکے دکھادے۔''

نمرود کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ جب کائنات کی ربوبیت (پرورش) میں شراکت کا آج تک کوئی دعویٰ نہیں کرسکا تو پھر الوہیت یعنی معبود ہونے کا دعویٰ کیسے کرسکتا ہے۔ قرآن مجید بار بار اس بات پر زور دے رہا ہے کہ جو خالق ہے وہ معبود بھی ہے، جو خالق نہیں وہ معبود بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی کو معبود بننے یا دوسرے کو معبود بنانے کا شوق ہے تو پہلے وہ اپنے یا جس کو چاہتا ہے اس کے اندر صفت خالق پیدا کرکے دیکھائے، اگر نہیں کرسکتا اور یقیناً نہیں کرسکتا تو پھر یہ شوق اور خیال چھوڑ دینا چاہیے کیوں کہ اس سے شرک لازم آتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت توحید ربوبیت کی نہیں بلکہ توحید الوہیت کی تھی۔ توحید ربوبیت کو انھوں نے الوہیت کی دلیل کے طور پر بیان کیا۔ کیوں کہ جب اللہ تعالیٰ کی مکمل، مطلق اور بلا شرکت غیرے حاکمیت وعبادت کی طرف دعوت دی جائے گی تو یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے یا کوئی اعتراض کرسکتا ہے کہ ہم اپنے خداؤں اور معبودوں کو چھوڑ کر صرف اور صرف ایک اللہ کے سامنے کس لیے جھکیں۔ تو اس کی دلیل توحید ربوبیت ہے کہ چوں کہ کائنات کی خلقت اور نظام کائنات کی تدبیر میں کوئی بھی اس کا شریک و سہیم نہیں تو اس کی عبادت کرنے میں بھی کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

قرآن مجید میں غور وفکر کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمام تر انبیاء علیہم السلام نے غیر اللہ کی عبادت کی نفی اور ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید بیان کرتا ہے:

﴿ ما لكم من اله غيره ﴾

''اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سب سے پہلا اعلان فرمایا وہ بھی یہی تھا: ''لا الٰہ الا اللہ۔''

اگر آپ اللہ کی ربوبیت کا اعلان فرماتے کہ ''لا ربّ الا اللہ'' تو مشرکین مکہ آپ سے اختلاف نہ کرتے۔ کیوں کہ وہ ربوبیت کو مانتے تھے مگر توحید الوہیت کے منکر تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو تو فرعون بھی تسلیم کرتا تھا، جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون سے کہہ رہے ہیں:

﴿ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ ﴾ [بنی اسرائیل: ١٠٢]

''اے فرعون تجھے معلوم ہے کہ ان چیزوں کو آسمان وزمین کے رب نے بصیرت کے طور پر نازل کیا ہے۔''

توحید ربوبیت کا اعتراف کرنا مشرکین کے لیے اس لیے بھی زیادہ مشکل نہ تھا کیوں کہ اس کا تعلق اعتقاد اور دل کے اقرار سے ہے، جب کہ توحید الوہیت کا تعلق اقرار کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی ہے۔ عملی زندگی میں نسلاً بعد نسلٍ وہ بہت سارے معبودوں کو اپنائے ہوئے تھے جنھیں چھوڑنا ان کے لیے بہت مشکل تھا۔ کیوں کہ جن تصورات پر انسان کی پرورش ہوئی ہو اور اس کی زندگی کا ایک حصہ ان کے مطابق بسر ہو چکا ہو تو پھر انھیں چھوڑنا بڑا گراں گزرتا ہے۔ اگر چہ دل اللہ کی وحدانیت کی گواہی بھی دیتا ہو، جیسا کہ قرآنِ مجید اہل مکہ کی کیفیت کو بیان کررہا ہے کہ جب انھیں کوئی جواب نہ سوجھتا تھا تو بالآخر یہ کہہ کر اپنی جان چھڑاتے:

﴿ بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ﴾ [البقرة: ١٧٠]

''ہم تو اپنے آباء واجداد کے راستے پر چلیں گے۔''

﴿ وقالوا قلوبنا فی اكنة مما تدعونا اليه وفی آذاننا وقر ومن بيننا وبينك حجاب فاعمل اننا عملون ﴾

''وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اس توحید سے جس کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے۔ نیز ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے، آپ جو چاہیں عمل کریں بے شک ہم بھی اپنی مرضی کا عمل کرنے والے ہیں۔'' [فصلت: ٦]

﴿ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴾ [بنی اسرائیل: ٤٦]

''جب آپ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہوئے صرف اپنے ایک ربّ کا ذکر کرتے ہیں تو یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔''

توحید ربوبیت کے دلائل اس قدر وزنی اور معتبر ہیں کہ ان کا دلیل کے ساتھ سامنا کرنا یا تردید کرنا مشرکین کے بس میں نہ تھا اس لیے وہ فرار کا یہی راستہ اختیار کرتے کہ بات سننے سے ہی انکار کردیتے۔ آج بھی ان لوگوں کو جو اللہ کی عبادت میں کئی اعتبار سے غیروں کو شریک کیے ہوئے ہیں دعوت دینے اور سمجھانے کا وہی اسلوب اختیار کرنا چاہیے جو قرآنِ مجید کا اسلوب ہے۔

توحید ربوبیت اور ایمان:

جب یہ واضح ہو چکا ہے کہ صرف توحید ربوبیت کا اقرار مسلمان

بننے کے لیے کافی نہیں جب تک کہ عملی طور پر تمام تر عبادات میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو اپنایا نہ جائے۔ تو اللہ کی ربوبیت کے ان گنت دلائل جو قرآنِ مجید تقریباً ہر سورت میں تکرار کے ساتھ پیش کر رہا ہے ان کا ایمان میں کیا کردار ہے۔ یہ تو ہم سمجھ چکے ہیں کہ عبادات میں شرک کا ارتکاب کرنے والوں کو سمجھانے کے لیے ربوبیت کو بطور دلیل کے پیش کرنا چاہیے۔ مگر ایک مسلمان اور موحد کے لیے بھی توحید ربوبیت قابلِ غور ہے یا کہ نہیں؟ اسے مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے کہ جس طرح ایک مال دار سے مال دار شخص کبھی بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی دولت کسی ایک خیال پر منجمد ہو جائے، بلکہ وہ اپنی دولت میں اضافہ کرنے کا سوچتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ شعور بخشا ہے کہ وہ ایمان کو سب سے قیمتی دولت سمجھتے ہیں اور وہ اس دولت کو فروغ دینے میں لگے ہوئے ہیں ان کے لیے توحید ربوبیت کے دلائل ایک فیکٹری ایک کارخانے اور ایک بہترین تجارت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے دلائل سنتے ہیں ان کا ایمان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ان کے دلوں کے سکون میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کے توکل میں پہاڑوں جیسی مضبوطی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید ان الفاظ میں ان کا تذکرہ کر رہا ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ [آلِ عمران: ۱۹۰]

''بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور دن رات کے آنے جانے میں عقل مندوں کے لیے (اللہ کی قدرت کے) بڑے بڑے دلائل موجود ہیں۔''

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ [بنی اسرائیل: ۱۰۷]

''بے شک وہ لوگ جنھیں قرآن سے پہلی کتابوں کا علم عطا ہوا جب ان کے پاس قرآنِ مجید کی تلاوت ہوتی ہے تو وہ چہروں کے بل گر پڑتے ہیں سجدہ کرنے کے لیے۔''

قرآنِ مجید میں بیشتر انبیاء علیہم السلام اور اہلِ ایمان کی دعاؤں کا ذکر ہوا ہے تو ان دعاؤں کے شروع میں اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر ملتا ہے ان کا آغاز ''رب'' یا ''ربنا'' اے میرے رب! اے ہمارے رب! کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ کیوں کہ ربوبیت کے دلائل سے صاحب ایمان کا دل اللہ کی بڑائی و کبریائی اور عظمت و جلال سے بھر جاتا ہے، اور وہ بے ساختہ مدد کے لیے اپنے اس رب کو پکارتا ہے جو کائنات کا نظام چلانے میں یکتا ہے۔ ربّ کائنات کی قدرت کاملہ کے سامنے جب انسان اپنے آپ کو بے بس اور فقیر محتاج سمجھتا ہے تو وہ پوری تضرع و عاجزی سے مانگتا ہے۔ جہاں اس کے دل میں عجز و انکساری پیدا ہوتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں یقین اور توکل بھی پیدا ہوتا ہے کہ جس ہستی سے وہ مانگ رہا ہے اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے پہلے اور پچھلے جن و انس ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور پھر ہر ایک جی بھر کر مانگے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کی خواہش کے مطابق دیتا رہے تو اس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایمان و ایثار کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہیں۔ اس کے باوجود مزید اطمینانِ قلب اور یقین کی دولت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

﴿رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ﴾ [البقرۃ: ۲۶۰]

''اے میرے رب مجھے دکھلا دے کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔ رب کائنات نے پوچھا اے ابراہیم! کیا تو میری قدرت کو مانتا نہیں۔ عرض کی: کیوں نہیں، مانتا ہوں لیکن اس لیے سوال کر رہا ہوں کہ مزید میرا دل مطمئن ہو جائے۔''

برادرانِ اسلام! جو دولت ایمانی کو اصل دولت سمجھتے ہیں اور اس کی قدر و قیمت سے آشنا ہیں وہ تو ایک لمحے کے لیے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔ وہ تو کارخانہ قدرت کی ہر چیز کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں اور اسے بنانے والے کی عظمتوں کے قائل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے خود دعوت دی ہے کہ اس کی قدرت کا مشاہدہ کرو تاکہ تمہارا دل گواہی دینے پر مجبور ہو جائے کہ ان چیزوں کو پیدا فرمانے والا جس طرح ربوبیت میں وحدہ لاشریک ہے اسی طرح عبادت میں بھی

کوئی اس کا شریک نہیں ہوسکتا۔

﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ٥ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ٥ وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ٥ وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴾ [الغاشیة: ١٧۔ ٢٠]

''کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے اسے کس طرح پیدا کیا گیا۔ کیا آسمان کی طرف نہیں دیکھتے اسے کیسے بلندی عطا کی گئی۔ کیا پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے انھیں کیسے گاڑا گیا، اور کیا زمین کی طرف نہیں دیکھتے اسے کس طرح ہموار کیا گیا۔''

انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی تو اللہ کی ربوبیت کے ایسے دلائل پیش کیے جن کا انکار ناممکن تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام جو دلائل پیش فرما رہے ہیں قرآنِ مجید ان کا ذکر کرتا ہے:

﴿ اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ٥ وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ٥ وَ اللّٰہُ اَنْبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ٥ ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْهَا وَ یُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا ٥ وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ٥ لِّتَسْلُکُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴾ [نوح: ١٥۔ ٢٠]

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سات آسمانوں کو اوپر نیچے پیدا فرمایا، ان میں روشن چاند کو بنایا اور روشنی پھیلانے والے سورج کو پیدا کیا۔ اللہ نے تمھیں زمین سے پیدا کیا، پھر تمھیں اسی زمین میں لوٹا دیتا ہے اور اسی زمین سے دوبارہ برآمد کرے گا۔ اللہ نے تمہارے لیے زمین کو پھیلا دیا کہ تم اس کے وسیع وعریض راستوں میں سفر کرسکو۔''

قرآنِ مجید حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بنائے ہوئے پانچ بتوں کا ذکر کرتا ہے جو درحقیقت ان کے بزرگ تھے اور لوگ آہستہ آہستہ ان کی عزت واحترام میں بڑھتے بڑھتے ان کی پوجا کرنے لگے اور انھیں اپنا معبود بنالیا۔ لیکن قرآن مجید یہ ذکر نہیں کرتا کہ قوم نوح میں سے کسی ایک نے حضرت نوح علیہ السلام کے دلائل ربوبیت کی تردید کی ہو۔ اور یہ دعویٰ کیا ہو کہ زمین وآسمان کے بنانے اور شمس وقمر کے سجانے میں ان کے پانچ بزرگوں کا بھی حصہ ہے۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہوتے کہ ہمارے بزرگ تکوین کائنات میں اللہ تعالیٰ کے شریک وسہیم ہیں تو وہ حضرت نوح علیہ السلام کے دلائل کی ضرور تردید کرتے، کہ آپ جس طرح اپنے ربّ کا تعارف کروا رہے ہیں اور ساری چیزوں کا خالق ومالک اسی ایک کو قرار دے رہے ہیں۔ اس میں تو ہمارے بزرگوں کی حق تلفی ہورہی ہے اور جو کریڈٹ انھیں ملنا چاہیے تھا آپ انھیں اس سے محروم کررہے ہیں۔ مگر کسی کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کیوں کہ یہ دعویٰ ان کے آباء واجداد میں سے بھی کسی نے نہیں کیا تھا اور نہ ہی کوئی کرسکتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود پوری قوم کا اپنے پانچ بڑے بزرگوں کی عبادت پر ڈٹ جانا قابل تعجب بلکہ قابل افسوس امر تھا جس نے قوم کو تباہی کے مقام پر لا کر کھڑا کردیا۔

دو چیزیں ہمارے لیے قابل غور ہیں ایک تو یہ کہ قرآنِ مجید ربوبیت کے دلائل کے ذریعے جس طرح ہمارے ایمان کی پرورش کرنا چاہتا کہ کائنات میں پھیلی ہوئی مخلوقات کو دیکھ کر ہمارے ایمان میں جنبش پیدا ہو اور یقین کی کیفیت پیدا ہوجائے۔ اللہ کی ذات پر توکل واعتماد بڑھ جائے، یہی اہل ایمان کی خوبی ہے جسے قرآنِ مجید بار بار متعارف کروا رہا ہے۔

دوسرا یہ کہ جس طرح ہم ربوبیت میں اللہ ربّ العزت کو وحدہ لا شریک مانتے ہیں۔ اسی طرح تمام تر عبادات میں اس کے وحدہ لا شریک ہونے کا اعلان کریں۔ بعض دفعہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ وہ توحید پر عمل پیرا ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ اللہ کے حق میں غیروں کو شریک کررہا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اسے معلوم نہیں ہوتا کون کون سے کام عبادت کے زمرے میں آتے ہیں اور توحید کا تقاضا ہے کہ یہ صرف اور صرف ایک اللہ کے لیے جو خالق ومالک ہے۔ مخصوص ہوں، غلط فہمی کی بنا پر انسان کے عقائد میں شرک درآتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اگر کسی غلطی کی وجہ سے شرک کا ارتکاب ہوگا تو وہ بھی قابل مواخذہ ہے۔ باقی گناہوں میں غلطی قابل معافی ہوسکتی ہے مگر شرک کے باب میں غلطی پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ اپنے خیال کے مطابق تو اہل مکہ بھی اپنے آپ کو صحیح سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن عبادات کا طریقہ کار میں انھوں نے لغزش کھائی یا اپنی مرضی کی تو کہاں سے کہاں جا پہنچے۔

کوئی مسلم ہو یا کافر، عبادات کے معاملے میں کوئی بھی اپنے آپ کو غلط کہنے کے لیے تیار نہیں۔ ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ راہِ حق پر گامزن ہے اور جو اس راستے پر نہیں وہ گمراہی کی طرف جا رہا ہے۔ تو حق و باطل کے درمیان کون سی چیز حد فاصل ہے۔ صرف دعوے کی بنیاد پر تو کسی کو صاحب حق نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن مجید اہل کتاب کے زعم کی نفی کر رہا ہے جو دعویٰ رکھتے تھے:

﴿وقالوا لن يدخل الجنة إلا من كان هوداً أو نصارى تلك امانيهم، قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين ○ بلى من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون﴾

[البقرة: ۱۱۱، ۱۱۲]

''اور انھوں نے کہا کہ صرف یہودی یا عیسائی ہی جنت میں جائیں گے، یہ ان کی خواہشات ہیں کہہ دیجیے تم کوئی دلیل پیش کرو اگر سچے ہو تو، ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا مطیع وفرماں بردار بنا دیا اور نیک بن گیا اسے رب کے ہاں اجر وثواب ملے گا ایسے لوگوں پر نہ تو خوف طاری ہوگا اور نہ وہ پریشان ہوں گے۔''

صاحب حق تو وہ ہوگا جس کا دعویٰ بالفعل قرآنِ مجید کی بتلائی ہوئی توحید کے مطابق ہوگا، اگر اس سے حق پر ہونے کی دلیل پوچھی جائے تو علماء ومشائخ کا نام لینے یا آباء واجداد کا طریقہ پیش کرنے یا عوام الناس کی اکثریت کا عمل بطور حجت کے ذکر کرنے کی بجائے اللہ کی کتاب ہاتھ میں لے کر اس سے دلیل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ کیوں کہ یہی دلیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کر سکے گا تو کامیابی نصیب ہوگی۔ جب قرآن مجید اللہ کی توحید کو حجت اور دلیل سے بیان کرتا ہے تو پھر کسی اور دلیل کی ضرورت بھی نہیں رہ جاتی ہے۔ البتہ امام کائنات ﷺ کے ارشاداتِ مبارکہ قرآن مجید کی تفسیر ہیں جنھیں قرآن مجید سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔



بدعت اور اس کی حقیقت

حافظ صلاح الدین یوسف، مدیر: شعبہ تحقیق وتالیف وترجمہ دارالسلام، لاہور

بدعت کی ہلاکت خیزیاں:

گزشتہ مباحث سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ بدعت بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ یہ صرف ایک جرم، ایک گناہ اور ایک معصیت ہی نہیں بلکہ یہ متعدد گناہوں اور جرموں کا مجموعہ ہے۔ ذرا ایک نظر ان جرموں کو دیکھیں اور پھر غور کریں، شاید یہ غور وفکر آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا کردے اور صراطِ مستقیم کی سمجھ اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ ہر قلب مسلم میں یہ تڑپ پیدا فرمادے کہ وہ جہنم والے راستے سے بچے اور جنت کا راستہ اختیار کرے۔ غور وفکر کے یہ پہلو حسب ذیل ہیں:

① ...... اللہ تعالیٰ نے جب قرآنِ مجید میں تکمیل دین اور اتمامِ نعمت کا اعلان فرما دیا ہے تو اس کے بعد اللہ پر ایمان رکھنے والوں کا کام کیا ہے؟ اس کو ماننے اور اس پر عمل کرنے یا اللہ کے اس فرمانِ تکمیل کو جھٹلا کر اپنی طرف سے دین میں اضافہ کرنے کا؟

② ...... اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں۔

﴿ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴾ [مريم ١٩: ٦٤]

جس کا مطلب یہ ہے کہ دین میں جو جو باتیں ضروری تھیں، اللہ نے وہ سب خود یا اپنے پیغمبر کے ذریعے سے بتلا دیں۔ اب جو شخص بدعات ایجاد کرتا ہے تو گویا وہ اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فلاں فلاں باتیں نہ یاد آئیں جب کہ وہ بھی ضروری تھیں اور ان کے بغیر دین کو مکمل نہیں کہا جاسکتا۔ کیا اللہ کی بابت ایسا عقیدہ رکھنا یا اس قسم کے عقیدے کا تاثر ملنا درست ہے؟ اس میں اللہ کی عظمت کا اظہار ہے یا اس کی تنقیص؟

③ ...... نبی ﷺ اللہ کے رسول تھے، رسالت کے منصب کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام بلاکم وکاست امت تک پہنچا دیے جائیں، ورنہ حق رسالت میں خیانت ہوگی۔ کیا بدعتی اپنے طرزِ عمل سے اس بات کا اظہار نہیں کرتا کہ اللہ کے رسول نے (نعوذ باللہ) ساری باتیں اپنی امت کو نہیں بتلائیں۔ اس لیے ہمیں اب بہت سی چیزیں ایجاد کرنی پڑ رہی ہیں۔ کیا یہ تصور یا ایسے تصور کا تصور (خیال) صحیح ہے یا یہ گستاخانہ تصور ہے؟

④ ...... نبی ﷺ پر وحی ورسالت کا خاتمہ فرما دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نئی شریعت، نئے احکام نازل نہیں ہوں گے جیسے آپ سے پہلے یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن بدعتی اس کے اس فیصلے پر راضی نہیں، وہ نئی بدعات گھڑ کر ختم نبوت کا اور اللہ کے اس فیصلے کا مذاق اڑاتا اور یہ باور کراتا ہے کہ دین میں نئے احکام کی ابھی ضرورت ہے۔ صرف شریعت محمدیہ، جس پر صحابہ کرام وتابعین عظام کے سنہری دور میں عمل کیا گیا، کافی نہیں ہے۔

⑤ ...... تشریع (شریعت سازی) صرف اللہ کا حق ہے، کسی بھی انسان کو اللہ نے یہ حق نہیں دیا حتی کہ پیغمبر بھی اللہ کے حکم اور اس کی وحی کے بغیر یہ کام نہیں کرتا، وہ بھی احکام الٰہی ہی کا پابند ہوتا ہے۔ لیکن بدعت گھڑنے والا اپنے آپ کو اللہ ربّ العالمین کے منصب تشریع پر فائز کرلیتا ہے۔ کیا اس کو یہ حق حاصل ہے؟ اور کیا یہ اللہ کی توہین نہیں ہے؟

⑥ ...... دین تو کامل ہے جس کا اعلان کردیا گیا ہے اور جس کا اعتراف غیروں کو بھی ہے جیسے یہودیوں نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

سے کہا تھا کہ تمہارا پیغمبر تو تمھیں پیشاب پاخانے تک کے آداب سکھاتا ہے، حضرت سلمان نے بڑے فخر سے اعتراف فرمایا کہ ہاں واقعی ایسا ہے اور ہمیں قضائے حاجت کے آداب بھی بتلائے گئے ہیں۔ایسے کامل دین میں اپنے خیالِ فاسد، عقل ناقص اور ہوائے نفس سے دخل دینا اور نئے نئے اضافے تجویز کرنا اور ان پر عمل کرنا کیا ایک مسلمان کے شایانِ شان ہے؟

⑦......کیا کسی کی عقل فاسد اور فہم ناقص کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ وحی الٰہی، یعنی قرآن وحدیث کو نظر انداز کر کے حسن وقبح یا استحباب وافضلیت کا فیصلہ کر سکے؟ یقیناً نہیں۔لیکن ایک بدعتی ایسا کر رہا ہے اور نہایت دھڑلے سے کر رہا ہے۔کیا اس شوخ چشمانہ جسارت کا کوئی جواز ہے؟

روزِ محشر اہل بدعت کی محرومی:

یہ چند پہلو ایسے ہیں کہ ان پر سنجیدگی سے غور وفکر کیا جائے تو بدعت کی خطرناکیاں اور تباہیاں سامنے آجاتی ہیں۔اسی لیے روزِ قیامت میدان حشر میں بدعتیوں کو نبی ﷺ کی شفاعت تو کجا، آپ کے قریب تک نہیں جانے دیا جائے گا، جیسے حدیث میں آتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" إِنِّیْ فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ، مَنْ مَّرَّ عَلَیَّ شَرِبَ، وَمَنْ شَرِبَ لَمْ یَظْمَأْ أَبَدًا، لَیَرِدَنَّ عَلَیَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُھُمْ وَیَعْرِفُوْنِیْ، ثُمَّ یُحَالُ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ۔"

''میں (قیامت کے دن) حوض پر تمہارا پیش رو (پہلے جانے والا) ہوں گا، جو میرے پاس سے گزرے گا، اس کا پانی پیئے گا اور جو پی لے گا، کبھی اس کو پیاس تنگ نہیں کرے گی۔ وہاں کچھ لوگ میرے پاس آرہے ہوں گے جنھیں میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر (ان کو روک دیا جائے گا اور) میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی۔''

یہ کون لوگ ہوں گے؟ اس کی صراحت بھی دوسری حدیث میں ہے۔جب ان کو روک دیا جائے گا تو نبی ﷺ فرماتے ہیں، میں فرشتوں سے کہوں گا:

((إِنَّھُمْ مِّنِّیْ، فَیُقَالُ: إِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا أَحْدَثُوْا بَعْدَکَ، فَأَقُوْلُ: سُحُقًا سُحُقًا لِمَنْ غَیَّرَ بَعْدِیْ))

[صحیح البخاری، الرقاق، باب فی الحوض، حدیث: ٦٥٨٣، ٦٥٨٤۔ صحیح مسلم، الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ، حدیث: ٢٢٩٠، ٢٢٩١]

''یہ تو میرے ہی (بندے معلوم ہوتے) ہیں تو کہا جائے گا (بلاشبہ یہ آپ ہی کے نام لیوا ہیں لیکن) آپ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی چیزیں دین میں ایجاد کر لی تھیں؟ (یہ سن کر) میں کہوں گا، دوری ہو، ان لوگوں کے لیے جنھوں نے میرے بعد دین میں تبدیلیاں پیدا کر دیں۔''

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بدعت سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ وہ قیامت کی رسوائی اور ذلت سے محفوظ رہے اور حوضِ کوثر کے آبِ زلال سے بھی محروم نہ رہے۔

کوئی بدعت، بدعت حسنہ نہیں ہوسکتی:

اہل بدعت، بدعت کا جواز یہ کہہ کر نکالتے ہیں کہ ہماری ایجاد کردہ بدعت کے یہ یہ فائدے ہیں۔اس لیے یہ بدعت، بدعت ضلالہ نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے۔حالاں کہ اوّلاً نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اس میں آپ نے کوئی استثنا نہیں فرمایا۔آپ نے بہ تکرار اور بہ کثرت یہ اصول اور کلیہ بیان فرمایا لیکن ایک موقعے پر بھی ایسا ارشاد نہیں فرمایا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ کسی امتی کا نو ایجاد عمل اچھا بھی ہوسکتا ہے۔آپ بلا استثنا یہی فرماتے رہے:''ہر بدعت گمراہی ہے۔'' آپ کے اس فرمان کے بعد بدعت ایجاد کرنے والے بہ زعم خویش اپنی بدعت کو کتنا بھی اچھا سمجھیں، اس کے کتنے بھی فوائد وفضائل بیان کریں اور اس پر کیسا ہی خوش نما اور دل فریب لیبل لگائیں لیکن اس پر عمل گمراہی ہی

ہے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے برعکس اس میں اجر وثواب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اجر وثواب تب ہوگا جب وہ عمل عنداللہ مقبول ہوگا اور وہ عمل جو اللہ نے اور اللہ کے رسول نے نہیں بتلایا، وہ مقبول کس طرح ہوسکتا ہے؟ فرمانِ گرامی ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

[صحیح مسلم، الأقضیة، باب نقض الأحکام البطلة ورد محدثات الأمور، حدیث: ۱۷۱۸]

''جس نے ایسا عمل کیا جس کی بابت ہمارا حکم نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

((مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَیْسَ فِیْهِ فَهُوَ رَدٌّ))

[صحیح البخاری، الصلح، باب إذا اصلطلحوا علی صلح جورٍ......، حدیث: ۲٦۹۷]

''جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسا نیا کام ایجاد کیا جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔''

ثانیاً: جتنے بھی اہل بدعت ہوگزرے ہیں یا اب ہیں، سب اپنی اپنی ایجاد کردہ بدعت کو بدعت حسنہ ہی قرار دیتے ہیں، کوئی بھی یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ ان کی بدعت گمراہی والی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے کہ صدیوں سے بدعت سازی کا جو کام ہوتا چلا آرہا ہے اور سیکڑوں بدعتیں اب تک ایجاد ہوچکی ہیں اور اب بھی عالم اسلام میں جو بے شمار مختلف قسم کی بدعات رائج ہیں، وہ سب کی سب حسنہ ہی قرار پائیں گی اور یوں نبی ﷺ کا فرمان کل بدعة ضلالة عبث اور یکسر لا حاصل قرار پائے گا۔ کیوں کہ بدعت ضلالہ کا تو پھر کہیں وجود ہی نہیں ہے، سب (ماشاءاللہ) بدعات حسنہ ہی ہیں۔ فَاِنَّا لِلّٰه وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ سَاءَ مَا یَحْکُمُوْنَ۔

ثالثاً: بدعت سازی، اللہ رسول کے مقابلے میں شریعت سازی ہے گویا یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ حریفانہ کشمکش ہے۔ کیا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مقابلہ کرنے اور ان کی مخالفت کرنے میں کوئی حسن، کوئی خوبی اور کوئی کمال ہوسکتا ہے؟ یقیناً نہیں، ہرگز نہیں، پھر کوئی بدعت، حسنہ کس طرح ہوسکتی ہے؟

رابعاً: بدعت کو حسنہ قرار دینے کا ضابطہ یا اصول کیا ہے؟

اگر کہا جائے کہ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جو بدعت شریعت کے موافق ہو، وہ بدعت حسنہ ہے۔ تو قابل غور بات یہ ہے کہ جو عمل موافق شرح ہو، وہ تو سرے سے بدعت کی ذیل ہی میں نہیں آتا۔ اس کو بدعت حسنہ کہنے میں کیا تک ہے؟ گویا بدعت کے ساتھ حسنہ کا اضافہ ہی اس بات کو واضح کردیتا ہے کہ شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، ورنہ اس کا الگ نام (بدعت) رکھ کر اس کے ساتھ حسنہ کا لفظ لگانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ جیسے ظہر کی فرض نماز چار رکعت ہیں۔ اب اگر کوئی چار کی جگہ چھ رکعات فرض بتلاتا ہے اور اس کو بدعت حسنہ قرار دیتا ہے تو اس کا اس عمل کو بدعت حسنہ کہنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل شریعت کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے۔ کیوں کہ موافق شرع عمل کو بدعت حسنہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، جیسے بعض امور ایسے ہیں جن کی بابت صراحتاً کوئی نص نہیں ہے لیکن ان کے جواز واستحباب پر اشارتاً یا اقتضاءً کوئی نہ کوئی اصل دلالت کرتی ہے (اس کی تفصیل آگے آئے گی) وہ چوں کہ شریعت کے موافق ہی ہے، اس لیے ان امور کو کوئی بھی بدعت حسنہ قرار نہیں دیتا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ محدث فی الدین عمل کو بدعت حسنہ قرار دینے کی بنیاد عقل ہے تو عقلیں تو مختلف ہوتی ہیں، کس کی عقل کو معیار اور کسوٹی قرار دیا جائے گا؟ شیعہ حضرات کی عقل نے عزا وماتم کی جو صورتیں ایجاد کی ہیں، جن کی وہ فرائض اسلام سے بھی زیادہ پابندی کرتے ہیں۔ اہل سنت کی عقل ان کو صحیح تسلیم نہیں کرتی، اس طرح اہل سنت کہلانے والوں میں سے بعض نے ''جشن میلاد'' کی جو صورتیں اختیار کی ہیں۔ اہل سنت کے دوسرے حلقوں کی عقل ان کو صحیح تسلیم نہیں کرتی۔ وعلی ہذا القیاس

بہت سے خود ساختہ طریقے اور اعمال ہیں جن پر تمام عقلیں متفق نہیں ہوسکتیں، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر دین کی بنیاد

عقل، رائے اور قیاس پر ہوتی تو جرابوں پر اوپر مسح کرنے کے بجائے جرابوں کے نچلے حصے پر مسح کیا جاتا۔لیکن مشروع اوپر والے حصے پر مسح کرنا ہے۔حالاں کہ گندگی نچلے حصے میں لگتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین میں عقل بھی بنیاد نہیں بن سکتی ،اس لیے کہ ہر موجد اور مبتدع کو اپنی گھڑی ہوئی چیز عقلی طور پر اچھی لگتی ہے،اسی لیے وہ اپنی خانہ ساز چیزوں کو بعض دفعہ وجوب واستحباب کا ورنہ پھر بدعت حسنہ کا درجہ تو ضرور ہی دیتا ہے جب کہ دوسرے اہل اسلام ان کی بدعات سے بجا طور پر اختلاف کرتے ہیں۔

خامساً: بدعت حسنہ کے نام پر دین میں اضافہ کرنا جائز ہے تو کیا کسی اور اچھے سے نام اور عنوان پر دین میں کمی بھی کی جا سکتی ہے؟ مثلاً گرمیوں کے روزوں میں سارا دن دھوپ میں کام کرنے والے مزدوروں، کاریگروں، مستریوں اور کسانوں وغیرہ کو روزوں کی چھوٹ دی جا سکتی ہے؟ کیوں کہ ایسے لوگوں کے لیے محنت مزدوری کے ساتھ سخت گرمی میں روزے رکھنے نہایت مشکل ہیں۔اسی نقطہ نظر سے نمازوں میں بھی تخفیف کی جا سکتی ہے، پانچ کے بجائے نمازیں دو کر دی جائیں یا وقت کی پابندی ختم کر دی جائے تا کہ تجارت وکاروبار سے فراغت کے بعد اکٹھی پڑھ لی جائیں تا کہ معاشی طور پر ملک ترقی کر سکے؟ کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

اگر بدعت حسنہ کے نام پر اضافہ جائز ہے تو پھر دین میں کمی کرنا بھی جائز ہونا چاہیے۔اگر اضافے کے اسباب اہمیت رکھتے ہیں تو کمی کے اسباب بھی کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔دین میں اس طرح من مانی کرنے سے دین کا کس طرح حلیہ بگڑے گا،جیسا کہ بگڑ رہا ہے،اس کا آپ آسانی سے اندازہ کر سکتے ہیں۔اب وقت بھی دین کو اضافہ کرنے والوں نے لہو ولعب اور کھیل تماشا بنا دیا ہے،اگر کمی بھی شروع کر دی گئی جو کہ اضافے کے جواز کا منطقی نتیجہ ہے تو دین سراسر بازیچہ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

سادساً: بدعت حسنہ کا مطلب، دین میں بگاڑ اور تحریف ہے۔اس لیے کہ آئے دن نئی عبادت کا اضافہ کر کے اس کو بدعت حسنہ قرار دے دیا جائے، جیسا کہ ہو رہا ہے اور یوں بدعات، یعنی نئی عبادات روز افزوں ہیں۔تو اس طرح ظاہر بات ہے کہ عبادات کے اضافے سے اصل دین میں بگاڑ پیدا ہوگا۔سابقہ دینوں میں بھی تحریف اور فساد اسی طرح پیدا ہوا تھا،اب دین اسلام کا بھی اہل بدعت نے وہی حال کر رکھا ہے جو یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے دینوں کے ساتھ کیا تھا۔وہ تو اللہ کی مشیت چوں کہ دین اسلام کو قیامت تک محفوظ رکھنا ہے، اس لیے اس نے اس کی حفاظت کا یہ انتظام فرمایا کہ ہر دور میں ایک جماعت حقہ کو قائم رکھا جو ایک طرف خالص اور بدعات کی آمیزش سے پاک اسلام کی حفاظت کرتی اور دوسری طرف اہل بدعت کی تحریفات وتلبیسات کا پردہ چاک کرتی چلی آ رہی ہے۔ پہلے یہ کام ایک نیا نبی ورسول آ کر کرتا تھا، وحی ورسالت کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اللہ نے اس کا متبادل جماعت حقہ اور طائفہ منصورہ کو بنایا ہوا ہے جو اللہ کی مشیت سے ہر دور میں اور ہر جگہ قیامت تک موجود رہے گی۔علی رغم انوف المبتدعین والمحرفین

اہل بدعت کے استدلالات ومغالطات کا جائزہ:

مار آه المسلمون حسناً ......سے استدلال؟

اہل بدعت درج ذیل موقوف روایت سے استدلال کرتے ہیں:

((مَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ سَيِّءٌ))

یہ اثر مسند احمد [١/ ٣٧٩] اور دیگر بعض کتب میں ہے جس کی تفصیل شیخ البانی رحمہ اللہ کی ''الضعیفه'' [٢/ ١٧] میں اور ان کے فاضل شاگرد شیخ سلیم الہلالی کی ''البدعۃ'' [ص: ٥٢، ٥٧] میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس اثر (موقوف روایت) کا مطلب ہے کہ ''جس عمل کو مسلمان حسن سمجھیں، وہ عنداللہ بھی حسن ہے اور جس عمل کو مسلمان برا سمجھیں، وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے۔''

اس سے استدلال کرتے ہوئے یہ حضرات کہتے ہیں کہ جس نے نئے عمل کو مسلمان اچھا سمجھ کر اپنا لیں وہ بدعت حسنہ ہے۔اور اس اثر کو وہ

حدیث رسول باور کراتے ہیں۔
لیکن اوّل تو یہ مرفوع حدیث نہیں ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے، لہٰذا ان قطعی نصوص کے مقابلے میں اسے پیش کرنا درست نہیں جن میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل ہے:

((كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

''ہر بدعت گمراہی ہے۔''

اور اگر بالفرض اسے قابل استدلال سمجھا جائے تو پھر اس سے مراد اجماع صحابہ ہے۔ سو ابن مسعود کے نزدیک المسلمون سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جس بات پر اجماع ہو جائے، وہ یقیناً عنداللہ بھی حسن ہوگی۔ کیوں کہ صحابہ کرام کا کسی بھی غلط کام پر اجماع نہیں ہو سکتا۔ جیسے صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جمع قرآن پر مامور فرمایا۔ مانعین زکوۃ سے قتال کیا وغیرہ۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ اوّلاً صحابہ نے توقف اور اختلاف کا اظہار کیا، جیسا کہ تاریخ میں یہ ساری چیزیں موجود ہیں۔ لیکن پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موقف سے سب متفق ہو گئے اور مذکورہ امور پر سب کا اجماع ہو گیا۔

صحابہ کرام کا اجماع کیوں حجت شرعیہ ہے؟ اس لیے کہ ایک تو وہ رسول اللہ ﷺ کے براہِ راست فیض یافتہ تھے۔ اس صحبت و تربیت نبوی سے وہ صراطِ مستقیم کے منہج کو صحیح طور پر سمجھ گئے تھے اور اس فہم صحیح نے ان کو اتباع رسول کے جذبے میں پختہ تر کر دیا تھا۔ چناں چہ اسی زیر بحث اثر میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

((ثُمَّ نَظَرَ فِيْ قُلُوْبِ الْعِبَادِ بَعْدَ قَلْبِ مُحَمَّدٍ ﷺ فَوَجَدَ قُلُوْبَ أَصْحَابِهِ خَيْرَ قُلُوْبِ الْعِبَادِ، فَجَعَلَهُمْ وُزَرَاءَ نَبِيِّهِ، يُقَاتِلُوْنَ عَلٰى دِيْنِهِ، فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ، وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ سَيِّءٌ۔))

''محمد ﷺ کے قلب مبارک کے دیکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں کو دیکھا تو تمام بندوں کے دلوں سے اصحاب محمد کے دلوں کو سب سے بہتر پایا۔ پس ان کو اللہ نے اپنے نبی کا وزیر بنا دیا، وہ اس کے دین کی خاطر لڑائیاں کرتے ہیں۔ پس (یہ) مسلمان جس چیز کو حسن خیال کریں وہ اللہ کے ہاں بھی حسن ہوگی اور جس کو یہ برا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی بری ہوگی۔''

اس سیاق میں اس اثر کی صحیح حیثیت بھی سامنے آ جاتی ہے اور صحابہ حق کا معیار اور کسوٹی کیوں قرار پائے، اس کی وجہ بھی واضح ہو جاتی ہے۔

دوسری وجہ اجماع صحابہ کے حجت شرعیہ ہونے کی یہ ہے کہ صحابہ کرام کا دور اسلام کا بہترین دور ہے۔ زبان رسالت نے اسے خیر القرون سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لیے یہ دور بدعات سے اور دیگر شرور وفتن سے محفوظ تھا۔ اس دور کے مسلمان نہ بدعت کا تصور کر سکتے تھے اور نہ کسی بدعت پر وہ متفق ہو سکتے تھے۔ دین میں ذرا سا بھی انحراف اور اتباع رسول سے بال برابر بھی ہٹنا ان کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ اس میں کتنی دینی غیرت اور اتباع رسول کا کیسا عظیم جذبہ ہے؟ فرماتے ہیں:

((يُوْشِكُ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ، أَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُوْنَ: قَالَ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ)) [اعلام الموقعين: ٣/ ٥٣٩ بہ تحقيق أبو عبيره، دار ابن الجوزي]

''قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو جائے، میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ نے (اس طرح) فرمایا ہے اور تم (اس کے مقابلے میں) کہتے ہو: ابوبکر و عمر نے (اس طرح) کہا۔''

تیسری وجہ اجماع صحابہ کے حجت ہونے کی خود رسول اللہ ﷺ کے فرامین ہیں۔ جن میں آپ نے صحابہ کرام کی اقتدا کرنے کا حکم دیا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور چوتھی وجہ اللہ تعالیٰ کا صحابہ کے ایمان کو

معیارِ ایمان قرار دینا ہے۔

﴿ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾

[البقرۃ ۲:۱۳۷]

﴿ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ ﴾ [البقرۃ ۲:۱۳]

دورِ خیر القرون کے بعد کے مسلمان ان خوبیوں سے محروم ہو گئے جن کی وجہ سے صحابہ کو ایک خاص شرف و امتیاز اور درجہ فضیلت حاصل ہوا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

بنا بریں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کا دور تاریخ اسلام کا وہ سنہری دور ہے جس کے اجماع کو حجت شرعیہ اور اس سے انحراف کو کفر و ضلالت قرار دیا جا سکتا ہے اور ایسا کہنا دلائل شرعیہ کے عین مطابق ہے۔

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ [النسآء ٤:١١٥]

''ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا اور مومنوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور کی پیروی کرتا ہے تو ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرتا ہے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔''

قرآنِ کریم کی اس آیت میں بھی مومنین سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ ان کی پیروی کو نجات کا اور اس سے انحراف کو جہنم کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔ اس آیت سے بھی اجماع صحابہ کی حجیت کا اثبات ہوتا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی مذکورہ قول مرفوع حدیث نہیں بلکہ ان کا اپنا قول ہے جس میں انھوں نے اجماع صحابہ کی وہ شرعی حیثیت واضح کی ہے جو دوسرے دلائل سے بھی ثابت ہے۔ اس لیے اس میں بیان کردہ حقیقت صحیح ہے اور وہ صحابہ کرام تک محدود ہے، بعد کے مسلمانوں کی اکثریت ان خوبیوں سے متصف نہیں رہی، اس لیے ان کا قول و عمل بھی قابل اعتبار نہیں رہا۔ وہ صحیح منہج سے بھی دور ہو گئی اور اتباع کے بجائے ابتداع کا راستہ اس نے اختیار کر لیا۔ علاوہ ازیں ان کے تقلیدی سلسلوں اور اکابر پرستی نے ان کے لیے اتحاد و اتفاق کی تمام راہیں بھی مسدود کر دی ہیں۔ وہ کسی ایک بات پر کس طرح متفق ہو سکتی ہے؟ چناں چہ دیکھ لیجیے، دین کے نام پر جتنی بدعات رائج ہیں، ان کی اکثریت کی حیثیت علاقائی ہے۔ یعنی ہر علاقے اور ملک میں الگ الگ بدعات اور الگ الگ صورتیں ہیں۔ کیا کسی ایک بدعت پر بھی عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے؟ اس صورت میں کوئی بدعت حسنہ کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور یہ نام نہاد مسلمان کس طرح عبداللہ بن مسعود کے قول میں معہود مسلمانوں کا مصداق ہو سکتے ہیں؟

''بدعات حسنہ'' نے دین کو فائدہ پہنچایا ہے یا شدید نقصان؟

علاوہ ازیں یہ بدعات جن کو یاران سر پل بدعات حسنہ باور کرانا چاہتے ہیں، دینی لحاظ سے ان کا جائزہ لیجیے کہ کیا وہ دین کے لیے مفید رہی ہیں یا دین کو انھوں نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔

جیسے تقلید کی بدعت ہے، جس کو فرض و وجوب کا درجہ دیا ہوا ہے، حالاں کہ وہ بھی:

﴿ شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ﴾

[الشوریٰ ۴۲:۲۱]

''انھوں نے دین کے نام پر بہت سی چیزیں ایسی مقرر کر لیں جن کا حکم اللہ نے نہیں دیا۔''

کی مصداق ہے۔ اس تقلید نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق کی راہیں ہمیشہ کے لیے بند کر دیں۔ اللہ اور اس کے رسول سے ناطہ تڑوا کر غیر معصوم امتیوں کے ساتھ ان کو جوڑ دیا اور ان کو مقام نبوت و عصمت پر فائز کروا دیا۔ قرآن حدیث میں ظاہری و باطنی (معنوی) تحریفات کا شوخ چشمانہ جسارت کا حوصلہ ان کے اندر پیدا کیا اور متعدد قباحتیں اور خرابیاں ہیں جو تقلید ناسدید کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ کیا اس سب کے باوجود اس بدعت تقلید کو ''بدعت حسنہ'' یا ''فرض و واجب'' تسلیم کر لیں؟ نہیں، یقیناً نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

﴿ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۭ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا

كَذِبًا ﴾ [الكهف ١٨: ٥]

بدعت میلاد کو دیکھ لیجیے، اس نے بھی کتنی قیامتیں ڈھائی ہیں۔ اس بدعت نے یہود ونصاریٰ کی طرح دین کو لہو ولعب بنا دیا۔ فرائض وسنن سے یکسر غافل کر کے عوام کو خرافات میں الجھا دیا ہے اور اسراف وتبذیر کے شیطانی کام کو مستحسن وپسندیدہ قرار دے دیا ہے۔ اور اس طرح کی دیگر متعدد خرابیاں ہیں جو ''جشن میلاد'' کے نتیجے میں معاشرے میں ظہور پذیر ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔

یہی حال دیگر بدعات کا ہے کہ ان سے اسلام کے اصل احکام وفرائض فراموش ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ خود ساختہ رسومات اور خانہ ساز عبادات اہم تر ہو رہی ہیں۔ اس لیے جلیل القدر تابعی رحمہ اللہ کا قول ہے:

((مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بِدْعَةً فِيْ دِيْنِهِمْ إِلَّا نُزِعَ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلُهَا)) [سنن الدارمی: ١/٤٥]

''جو قوم بھی اپنے دین میں کوئی بدعت ایجاد کرتی ہے تو اس کی مثل اس سے ان کی سنت چھین لی جاتی ہے۔''

یعنی اصل اہمیت سنت کے بجائے بدعت کی ہو جاتی ہے۔ اس لیے سنت پر عمل تو متروک ہو جاتا ہے لیکن بدعت پر عمل نہایت سختی اور پابندی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی سے بھی منقول ہے:

((مَا مِنْ عَامٍ إِلَّا تَظْهَرُ فِيْهِ بِدْعَةٌ وَتَمُوْتُ فِيْهِ سُنَّةٌ حَتّٰى تَظْهَرَ الْبِدَعُ وَتَمُوْتُ السُّنَنُ)) [كتاب الحوادث والبدع، ص:٤]

''کوئی سال ایسا نہیں ہے کہ جس میں بدعت ظاہر اور سنت فوت نہ ہو، یہاں تک کہ بدعات کا غلبہ ہو جاتا ہے اور سنتیں ناپید ہو جاتی ہیں۔''

اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ جہاں بھی بدعات کا ظہور ہوتا ہے تو سنتیں وہاں سے مفقود ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے شیطان کو بدعت، معصیت سے زیادہ پسند ہے، جیسا کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے:

((إِنَّ الْبِدْعَةَ أَحَبُّ إِلٰى إِبْلِيْسَ مِنَ الْمَعْصِيَةِ لِأَنَّ الْبِدْعَةَ لَا يُتَابُ مِنْهَا وَالْمَعْصِيَةُ يُتَابُ مِنْهَا))

[الإبداع في مضار الابتداع، ص:٣٣، للشيخ علي محفوظ (الازهر، قاهره) طبع ١٩٧١ء، مدينه منورة]

''بدعت، شیطان کو معصیت سے زیادہ محبوب ہے کیوں کہ بدعت سے توبہ کرنے کا احساس ہی پیدا نہیں ہوتا جب کہ معصیت سے توبہ کا امکان رہتا ہے۔''

اسی بات کو ایک حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ حَجَزَ (حَجَبَ) التَّوْبَةَ عَنْ صَاحِبِ كُلِّ بِدْعَةٍ)) [صحيح الترغيب: ١/ ١٣٠، والصحيحة: ٤/ ١٥٤، والسنة لابن أبي عاصم، رقم:٣٧]

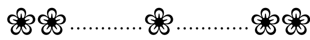
''ہر بدعتی کے لیے اللہ نے توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔''

اسی لیے اسلام میں بدعتی کی توقیر (عزت واحترام کرنے) سے روکا گیا ہے اور اسے ایک بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا:

((مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْإِسْلَامِ)) [حسنه الألباني في تعليقات هداية الرواة: ١/ ١٤١، ١٤٢]

''جس نے کسی بدعتی کی توقیر کی، اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔''

بہرحال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے زیر بحث قول میں ''المسلمون'' سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، یعنی ان کا کسی دینی امر میں اجماع واتفاق ایسا ہے کہ وہ دین میں حجت ہے، یا پھر اس اثر میں اس عمل کی حجیت کی طرف اشارہ ہے جس کی بابت قرآن وحدیث میں کوئی نص وارد نہیں۔ نیز شریعت کی کسی اصل سے بھی وہ متصادم نہیں، عبادات سے بھی اس کا کوئی تعلق نہیں اور عقل سلیم بھی اس کو قبول کر لے تو ایسا عمل مستحسن ہو سکتا ہے۔ [جاری ہے]



اَلْــــخُـــــشُــوْعُ

شیخ عمر فاروق

الخشوع کا لغوی معنی:

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''اَلْخُشُوْعُ'' کے لغوی معنی ضَرَاعَۃٌ یعنی عاجزی کرنے اور جھک جانے کے ہیں مگر زیادہ تر خشوع کا لفظ جوارح اور ضراعت کا لفظ قلب کی عاجزی پر بولا جاتا ہے۔اسی لیے ایک روایت میں ہے:

"اِذَا ضَرَعَتِ الْقَلْبُ خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ ۔"

''جب دل میں نرمی اور فروتنی پیدا ہوتی ہے تو اس کا اثر اعضاء وجوارح پر ظاہر ہوتا ہے۔'' [مفردات القرآن]

لیکن اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بڑائی کے سامنے اپنے آپ کو عاجز اور کمزور سمجھنا، تکبر اور غرور سے دور رہنا، عجز وانکساری اختیار کرنا، قرآنِ حکیم کی آیات سن کر دلوں کا نرم پڑ جانا، نمازوں کو اطمینان اور سکون سے ادا کرنا، اللہ تعالیٰ کو رغبت (اُس کی رحمتوں کا امیدوار بن کر) اور خوف (اُس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے) پکارنا۔

خشوع سے مصائب زندگی کا مقابلہ:

﴿ وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ [البقرة ۲: ٤٥،٤٦]

''(مصائب میں) صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک سخت مشکل کام ہے مگر ان فرمانبردار بندوں کے لیے مشکل نہیں ہے جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اُسی کی طرف پلٹ جانا ہے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں:

''نماز کی پابندی عام لوگوں کے لیے گراں ہے، لیکن خشوع وخضوع کرنے والوں کے لیے یہ آسان ہے، بلکہ اطمینان اور راحت کا باعث ہے، یہ کون لوگ ہیں، وہ جو قیامت پر پورا یقین رکھتے ہیں۔گویا قیامت پر یقین اعمالِ خیر کو آسان کر دیتا ہے اور آخرت سے بےفکری انسان کو بے عمل بلکہ بدعمل بنا دیتی ہے۔'' [احسن البیان]

کون سے مومن کامیاب ہیں؟

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴾ [المؤمنون ۲۳: ۱،۲]

''یقیناً فلاح پائی ایمان لانے والوں نے جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔''

خشوع سے مراد قلب وجوارح کی یکسوئی اور انہماک ہے۔قلبی یکسوئی یہ ہے کہ نماز کی حالت میں بہ قصد خیالات ووساوس کے ہجوم سے دل کو محفوظ رکھے اور اللہ کی عظمت وجلالت کا نقش اپنے دل پر بٹھانے کی سعی کرے۔اعضا وجوارح کی یکسوئی یہ ہے کہ ادھر ادھر نہ دیکھے، نماز میں کھیل کود نہ کرے، بالوں اور کپڑوں کو سنوارنے میں نہ لگا رہے، بلکہ خوف وخشیت اور عاجزی وفروتنی کی کیفیت طاری ہو۔(گویا کہ وہ دنیا کے کسی بادشاہ کے سامنے نہیں بلکہ اُس احکم الحاکمین کے دربار میں کھڑا ہے جس کے ان گنت احسانات کے نیچے وہ دبا ہوا ہے اور اس کی بےشمار نعمتوں کی بارش اُس پر ہمہ وقت ہو رہی ہے۔)

نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کے دیگر عوامل:

(ا)......باادب کھڑے ہونا:

﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ [البقرة ۲: ۲۳۸]

''اَلْقُنُوْتُ'' میں عجز اور خاکساری کے ساتھ اطاعت اور فرماں برداری کے معنی بھی آتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے قنوت کی بہترین تشریح فرمائی ہے۔

''نماز تلاوتِ قرآن اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کا نام ہے اور اس میں کسی طرح کی انسانی گفتگو جائز نہیں ہے، اسی بنا پر جب آپ سے پوچھا گیا کہ کون سی نماز افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''طُوْلُ الْقُنُوْتِ''، یعنی عبادت میں ہمہ تن مصروف ہو جانا اور اُس کے علاوہ ہر جانب سے توجہ پھیر لینا جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ط وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [النحل ۱۶: ۱۲۰]

''واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا اللہ کا مطیع فرمان اور یکسو، وہ کبھی مشرک نہ تھا۔''

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگائی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت وفرماں برداری، طاعات وحسنات میں پوری ایک جماعت کے قائم مقام اور برابر، کفر اور شرک کے اندھیروں میں اس مردِ صالح نے تن تنہا توحید کی شمع کو روشن کیا۔ اِسی طرح نماز میں ''قانتین''، یعنی فرماں بردار غلام کی حیثیت سے اپنے آقا ومولا کے حضور کھڑے ہونے سے خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوگی۔

(ب)......انابت الی اللہ اور تقویٰ: انابت الی اللہ کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف رخ کرنا اور اُس کے حضور توبہ کرنا ہے۔[مختار الصحاح]

''تقویٰ''، ضمیر کے اُس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اُس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔[سیرت النبی، ج:۵]

اور یہ دونوں باتیں یعنی انابت الی اللہ اور تقویٰ اختیار کرنے سے دل میں خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ [الروم ۳۰: ۳۱]

''اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اُس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''

''مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ'' رَاجِعِيْنَ اِلَيْهِ بِالتَّوْبَةِ وَالْاِخْلَاصِ'' اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ اور اخلاص سے رجوع کرنا۔
[کلمات القرآن، الشیخ حسنین مخلوف]

ظاہر ہے کہ جب بندہ اپنے ربّ کے حضور اخلاص سے رجوع کرتا ہے اور اُس کے در پر توبہ کرتا ہے تو اِس کی نماز میں یقیناً خشوع پیدا ہوتا ہے۔

(ج)......تلاوتِ قرآن اور خشوع: نمازوں میں قرآنِ حکیم کی تلاوت اور قراءت اِسی لیے رکھی گئی ہے تا کہ مسلمان احکام الٰہی پر غور کرتے رہیں اور انہیں حرزِ جاں بنائیں۔ اچھے اور سچے اہل ایمان کا ذکر اِس طرح آتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ o الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ [الانفال ۸: ۲، ۳]

''سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات اُن کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو اُن کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے ربّ پر اعتماد رکھتے ہیں (یہی وہ لوگ ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم اپنی اثر انگیزی میں بے مثل ہے اور اُس کی زبان میں اس قدر مٹھاس اور حلاوت ہے کہ عربی زبان سے مس نہ رکھنے والا بھی اُس کا اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے کہ کتنے لوگ اس کلام کو سن کر لذت ایمان سے بہرہ ور ہوئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ج يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ [المائدة ۵: ۸۳]

''جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول پر اترا ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ حق شناسی کے اثر سے اُن کی آنکھیں آنسوؤں سے تر

ہوجاتی ہیں۔ وہ بول اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں پس آپ ہم کو بھی اُن لوگوں کے ساتھ لکھ دیجیے جو (کلمہ حق کی) تصدیق کرنے والے ہیں۔''

اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کہ جن کے قلب اطہر پر یہ قرآن نازل ہوا قرآن سننے کے بعد اُن کا حال سنیے۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے کہا ''مجھے قرآن سناؤ'' میں نے عرض کیا: ''میں آپ کو قرآن سناؤں وہ تو آپ پر نازل کیا گیا'' فرمایا: ''میرا جی چاہتا ہے کہ میں اِسے دوسروں سے سنوں'' میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی اور جب میں اس آیہ مبارکہ پر پہنچا

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴾ [النساء ٤: ٤١]

''پھر سوچو کہ اُس وقت (روزِ قیامت) یہ کیا کریں گے جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے (ہر امت میں سے اُس کا رسول گواہی دے گا کہ اُس نے پیغامِ حق لوگوں تک پہنچا دیا) اور اِن لوگوں پر آپ (ﷺ) کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے (آپ ﷺ اُن نفوسِ قدسیہ کے پیغامِ حق کی تصدیق فرمائیں گے۔)'' جب آپ ﷺ نے اس آیہ مبارکہ کو سنا تو عبداللہ بن مسعود سے فرمایا: ''اَمْسِكْ'' یہیں رک جاؤ۔ ''فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَان'' عبداللہ بن مسعود نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔

[مسلم، رقم الحدیث: ۸۰۰]

(د)......قرآن میں تدبر کرنا: ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [الاعراف ٧: ٢٠٤]

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے کان لگا کر اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم ہو (تم پر اللہ کی رحمت نازل ہو اور فہم قرآن سے بہرہ ور ہو جاؤ۔)''

یہ بات اُسی وقت ممکن ہے جب ہم محنت اور شوق سے اِسے سمجھنے کی کوشش کریں اور روزمرہ کے معمولات میں سے قرآن کے لیے کچھ وقت وقف کریں۔ حصول علم تو ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جہری نمازوں میں امام اچھی طرح قراءت کرنے والا ہو تو اُس کے اثرات مقتدیوں پر مرتب ہوتے ہیں خاص طور پر عشا اور فجر کی نمازوں میں فضا میں خاموشی ہوتی ہے اور اُس وقت امام کی قراءت بھی ذرا طویل ہوتی ہے۔ آیات کو توجہ سے سننا اور اُن پر غور کرنا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی آیات پر دل ہی دل میں اُس کی رحمت کا طلب گار رہنا اور عذاب کی آیات پر اُس کا خوف دل میں آنا اور اُس سے بخشش کی تمنا رکھنا نماز میں خشوع وخضوع کا باعث بنتا ہے۔ یہ بات اُسی وقت ممکن ہے جب قرآنِ حکیم کا ترجمہ آتا ہو اور ہر شخص کو اس کے لیے کوشش اور جستجو کرنی چاہیے۔ اردو زبان میں مستند تراجم اور تفاسیر آ چکی ہیں۔ جگہ جگہ فہم القرآن کلاسز کے کورسز جاری ہیں، دین کی تفہیم بڑی آسان ہوگئی ہے۔ اب کسی شخص کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا ہے۔

(ر)......رغبت اور خوف: الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ومناجات کرنا، نیک اعمال کو سرانجام دینے میں سبقت کرنا، رغبت اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ رب کو پکارنا، یعنی اُس کی رحمتوں کی امید رکھنا اور اُس کے عذاب سے ڈرنا، اُس کی بندگی پر کسی فخر وغرور کا نہیں بلکہ عجز ودرماندگی کا اظہار کرنا اور اُس کے حضور دعا کرنا:

''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔''

انسان میں خشوع پیدا کرتا ہے، اس آیت پر غور کر لیجیے۔ رب کریم کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴾ [الانبیاء ٢١: ٩٠]

''(ابرار وصالحین) نیکی کے اعمال میں دوڑ دھوپ کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے تھے اور ہمارے لیے ہی خشیت اختیار کرنے والے تھے۔''

(ز)......مناجات: نماز شروع سے آخر تک اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات ہے۔ عاجز بندے اپنے ربّ کے حضور اپنی حاجات پیش کرتے

ہیں۔ اُس سے عجز و نیاز سے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہیں اور اُس مہربان آقا سے بخشش اور معافی کے خواستگار ہوتے ہیں، حدیث میں آتا ہے:

" اِنَّ الْمُصَلِّیَ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ، فَلْیَنْظُرْ بِمَا یُنَاجِیْهِ بِهٖ ۔"

[موطا امام مالك، كتاب النداء للصلاة]

''بلاشبہ نمازی اپنے ربّ سے ہم کلام ہوتا ہے، اُسے جاننا چاہیے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے کیا گفتگو کررہا ہے۔''

ضروری ہے کہ شروع سے آخر تک نماز کا ترجمہ آتا ہو اور جن سورتوں کو نمازی اپنی نماز میں پڑھتا ہے اُن سے بخوبی واقف ہو۔

نماز شروع سے آخر تک اطمینان اور سکون سے ادا کی جائے، رکوع و سجود میں تسبیحات کو پورے شعور سے پڑھا جائے، مثلاً رکوع میں جب بندہ ''سبحان ربي العظيم'' پڑھے تو دل اور زبان اس بات کا اقرار کرے کہ میرا عظیم رب ہر عیب اور ہر برائی سے، ہر نقص اور ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ مشرکین کے ہر شرک سے منزہ ہے۔

﴿ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴾ [الطور ٥٢ : ٤٣]

''اللہ تعالیٰ اُن (مشرکین) کے ہر شرک سے منزہ ہے۔''

یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جائے کہ جب تک خالق و مالک کی صفات ذہن و فکر میں مستحضر نہ ہوں کبھی خشوع پیدا نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات آغاز قرآن سے آخر تک بکھری ہوئی ہیں۔ نیز اُن کا مشاہدہ انفس و آفاق سے بھی کرتے رہنا چاہیے۔ اس لیے بندہ مومن کو قرآن کی تلاوت روزانہ سوچ سمجھ کر کرتے رہنا چاہیے۔

(س)......احسان: احسان کے عام معنی تو احسان و مروت کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے مزید وسعت دے کر اس کے مفہوم کا دائرہ وسیع تر کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاكَ ۔"

''احسان یہ ہے کہ اپنے رب کی عبادت اس انداز میں کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہیں تو پھر یہ (یقین کرو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

یہ بات بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو سامنے رکھ کر ہی ہوسکتی ہے مثلاً خیال کیجیے کہ اپنے خالق، مالک، رحمٰن و رحیم، لطیف و خبیر، قادر و قوی اور تمام اچھی صفات رکھنے والے مولا کو دیکھ رہا ہوں یا وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

(ش)......زندگی کی آخری نماز: اگر نمازی اپنی ہر نماز کو زندگی کی آخری نماز خیال کرے اور اُسے اس بات کا یقین ہوجائے کہ اِس کے بعد میں نے اپنے ربّ کے پاس پہنچ جانا ہے تو اس سے لازماً خشوع پیدا ہوگا۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو وصیت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

" اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ ۔"

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اُسے الوداعی نماز سمجھ کر ادا کیا کرو۔''

(ص)......سنت کے مطابق نماز پڑھنا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" صَلُّوْا كَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ ۔"

''(مسلمانو!) نماز اِس طرح پڑھا کرو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔''

خشوع میں اضافہ کرنے والی باتیں: ① تقویٰ، ② طہارت، ③ احسان، ④ اکل حلال (حق حلال روزی سے ہی عبادت میں حلاوت پیدا ہوتی ہے)، ⑤ غربا و مساکین کی خدمت (اس سے دل نرم ہوتا ہے۔)

خشوع میں خلل انداز ہونے والی باتیں: ① تکبر، ② ریا، ③ مکر و فریب، ④ رزقِ حرام، ⑤ قساوتِ قلبی، ⑥ شیطانی وساوس۔

شیطان کے وساوس اور حملوں سے بچاؤ کا طریقہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنا ہے۔ جس کے لیے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کو ہردم حرز جاں بنائے رکھنا چاہیے۔



خطیب الہند مولانا محمد جونا گڑھی رحمہ اللہ کی علمی خدمات

تحریر: کلیم حسین شاہ (جامعہ سلفیہ اسلام آباد)

(۳۶)......دین محمدی (۲ مجلد):

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی فقہ الحدیث پر مشہور زمانہ کتاب ''اعلام الموقعین عن رب العالمین'' کا ترجمہ ہے۔

بقول مولانا داؤد راز دہلوی ''آپ نے علامہ ابن القیم کی شہرہ آفاق کتاب اعلام الموقعین کو اردو کا جامہ پہنا کر نوجوانانِ اسلام کے لیے دینی غور وفکر کا دروازہ کھول دیا ہے۔''

(۳۷)......ذمہ محمدی:

اس کتاب میں گیارھویں، روشن مہندی، صلاۃ غوثیہ اور وظیفہ یا شیخ کی پوری تردید کی گئی ہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا اہل حدیث ہونا ثابت کیا گیا ہے۔

(۳۸)......رحمت محمدی:

یہ کتاب اس مناظر کی روداد ہے جو صاحب کتاب اور مولانا عبدالستار کے درمیان بعنوان ''شرکیہ الفاظ سے سانپ یا کتے وغیرہ کے کاٹنے پر دم کرنا جائز ہے یا ناجائز؟'' ہوا تھا۔ اس کتاب میں دونوں فریق کے دلائل درج ہیں۔

(۳۹)......رکوع محمدی:

یہ کتاب اس مناظرہ کی روداد ہے۔ جو ۱۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ کو بعنوان ''رفع الیدین عند الرکوع وعند رفع الراس'' مولوی احمد سعید صاحب دہلوی ومولانا عبدالحکیم صاحب نصیر آبادی کے مابین ہوا تھا۔ اس میں فریقین کے دلائل من وعن درج ہیں۔

نوٹ: چوں کہ اس کتاب کے مرتب مولانا محمد جونا گڑھی ہیں اور آپ معاون مناظر بھی تھے۔ اس لیے یہ کتاب آپ کی طرف منسوب کردی گئی۔

(۴۰)......ریحانِ محمدی:

اس رسالہ میں ایجاد تعزیہ داری کی تحقیقی تردید ہے۔ پہلا تعزیہ کب بنا۔ کس کے زمانے میں بنا، پہلا تعزیہ کیا ہے اور کس نے بنوایا تھا؟ ان تمام باتوں کی تاریخی تحقیق درج ہے۔

(۴۱)......زکوٰۃ محمدی:

اس رسالہ میں زکوٰۃ کی فرضیت، زکوٰۃ کا نصاب، زکوٰۃ کی مقدار، زکوٰۃ کے مستحقین۔ نیز نفلی صدقات وغیرہ کے فضائل ومسائل قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

(۴۲)......سراج محمدی:

بریلوی حنفی پارٹی کے اخبار ''الفقیہ امرتسر'' کے ایڈیٹر نے اہل حدیث پر جو اعتراض کیے اور اُن سے جو سوالات کیے ان کا نہایت مدلل جواب ہے۔ جس میں ثبوت ہے کہ اہل حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے چلے آرہے ہیں۔ خود امام ابوحنیفہ اور تینوں امام بھی اہل حدیث تھے۔ چاروں اماموں نے تقلید کو حرام کہا ہے۔ فقہاء اور علماء امت کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ حدیث کی کتب اور قرآنِ مجید کی تدوین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ہوگئی تھی۔ جب کہ فقہ کی کتب ۶۰۰ برس بعد کی ہیں اور امام ابوحنیفہ کی تحریر سے دنیا محروم ہے۔ فقہ کے مسائل نہایت شرم ناک ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بیسیوں کارآمد مباحث اس کتاب میں موجود ہیں۔

(۴۳)......سلام محمدی:

یہ کتاب شرکیہ صلاۃ وسلام کے ردّ میں ہے اور صوفی ابوالخیر احمد علی

الدکنی کے رسالہ ''الصلوٰۃ والسلام'' کا بہترین اور محقق جواب ہے۔

(۴۴)......سنت محمدی:

سنت محمدی علامہ محمد حیات محدث سندھی رحمہ اللہ کے رسالہ ''فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور'' کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق دلائل درج ہیں۔

(۴۵)......سیرتِ محمدی:

یہ کتاب محبّ الدین طبری کی کتاب ''خلاصۃ السیر فی احوال سید البشر'' کا ترجمہ ہے۔

(۴۶)......سیف محمدی:

اس کتاب میں فقہ حنفی کی حقیقت واضح کرنے کے لیے فقہ حنفی کی انتہائی مشہور ومعروف اور مقلدین احناف کے درمیان متداول (مثلاً درمختار وغیرہ) کتابوں سے ایسے مسائل درج کیے گئے ہیں جو صریحاً کتاب وسنت کے خلاف ہیں۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فقہ وحدیث میں کیا فرق ہے۔ فقہ حنفی کی کتب سے تقریباً ۶۰۰ مسائل نقل کرکے ان کی تردید کی گئی ہے۔

(۴۷)......شمع محمدی:

اس کتاب میں فقہ اور حدیث کے فرق اور تفاوت کو بیان کیا گیا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ تقلید شخصی عین ضلالت وگمراہی ہے۔ اور اتباع سنت اصل راہِ نجات ہے۔ فقہ کے ۱۵۰ مسائل کا ردّ اور ان کے خلاف ۱۵۰ احادیث ایسی درج کی گئی ہیں جو سب کی سب پایہ صحت پر متمکن ہونے کے باوجود فقہ حنفی کے نزدیک قابل اعتناء نہیں (یعنی حنفی فقہ کا احادیث رسول سے تقابل کیا گیا ہے۔)

(۴۸)......شہادتِ محمدی:

اس کتاب میں مولانا شاہ اسماعیل شہید کی سوانح عمری درج کی گئی ہے اور تقویۃ الایمان پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کا جواب دیا گیا ہے۔

(۴۹)......صدائے محمدی:

اس رسالہ میں اہل حدیث پر کیے جانے والے تمام اعتراضات کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی احناف سے ان کی کتب فقہ کے بے دلیل خلاف عقل ونقل مسائل سے متعلق سوالات پوچھے گئے ہیں۔

(۵۰)......صراطِ محمدی:

اس کتاب میں تعزیہ داری اور رسوماتِ محرم کی پوری تحقیق بیان کی گئی ہے۔ اور قرآن وحدیث، فقہ حنفی سے ان تمام بدعاتِ مروّجہ کی تردید کی گئی ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی مکمل سوانح عمری بھی درج کی گئی۔

(۵۱)......صلاۃِ محمدی:

اس میں وضو، تیمّم، نماز پنجگانہ، نماز جمعہ، نماز جنازہ، نماز عیدین، تراویح، تہجد، چاند اور سورج گرہن کی نمازیں اور استسقاء وغیرہ کا طریقہ، دعائیں مع ترجمہ، مسائل واحکام قرآن وحدیث کے مطابق جمع کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کا بنگلہ زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۵۲)......صمصام محمدی:

یہ کتاب اثبات توحید میں ہے اور جن مشرکانہ افعال کو اہل بدعت شرک نہیں سمجھتے انھیں تحقیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ وہ شرک ہیں۔

(۵۳)......صیام محمدی:

اس رسالہ میں رمضان کے روزوں کی فرضیت معذور لوگوں کے احکام، تراویح، لیلۃ القدر، اعتکاف، نفلی روزے، صدقۃ الفطر کے مسائل، چاند اور عید کے احکام اور نماز عید کے طریقے کا بیان مذکور ہے۔

(۵۴)......ضرب محمدی:

یہ رسالہ تقلید شخصی سے متعلق ۵۰ ناقابل تردید سوالات کا مجموعہ ہے جن کا صحیح جواب دینے پر ہی تقلید شخصی سے متعلق ہر تھوڑی سی سمجھ والا انسان بھی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

(۵۵)......طریق محمدی:

یہ ردّ تقلید پر ایک عمدہ کتاب ہے جس میں تردید تقلید سے متعلق بہترین مباحث قلم بند کیے گئے ہیں۔ جنھیں پڑھ کر صاحب کتاب کے لیے دل سے بے ساختہ دعا نکلتی ہے۔

اس کتاب میں قرآن وحدیث، اقوالِ صحابہ، تابعین اور فقہ حنفی کی کتابوں سے تقلید شخصی کی تردید اور اتباع سنت کی تائید ثابت کی گئی ہے۔

نیز تقلید کے اثبات میں جتنے دلائل دیئے جاتے ہیں اُن تمام کے جوابات اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ خود حنفی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بیسیوں مسائل کو نہیں مانتے۔

(۵۶)......ظفرِ محمدی:

اس کتاب میں مولانا جونا گڑھی نے راج کوٹ میں ہونے والے اپنے تاریخی مناظرے کی روداد قلم بند کی ہے۔

(۵۷)......ظل محمدی:

یہ کتاب آپ نے اپنے استاد مولانا عبدالوہاب دہلوی (بانی غرباء اہل حدیث) کے دعویٰ امام کی تردید میں لکھی ہے ابتداء آپ نے احادیث صحیحہ کی روشنی میں امامت کے مفہوم اور بیعت کی شرعی حیثیت کو واضح کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ مدعیان امامت اس کے مستحق نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مولانا عبدالوہاب ان کے صاحب زادے مولانا عبدالستار اور ان کے تلمیذ خاص مولانا عبدالجلیل سامرودی کے عقائد کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان اکابر علمائے اہل حدیث کی مختصر فہرست بھی پیش کی ہے جنھوں نے مولانا عبدالوہاب اور ان کے عقیدے کے حامل افراد کے بارے میں فتویٰ صادر کیا ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے اس واقعے کا بھی ذکر کیا ہے کہ جب سلطان ابن سعود رحمہ اللہ نے مولانا عبدالوہاب کے فرزند مولانا عبدالستار کو ان عقائد سے توبہ کرنے کے لیے کہا تو مولانا عبدالستار نے صاف انکار کر دیا جس پر ابن سعود نے ان سے اپنی اور تمام جماعت اہل حدیث کی جانب سے بے زاری کا اعلان کیا اور اس کا حکم نامہ جاری کیا۔

(۵۸)......عصائے محمدی:

یہ رسالہ جودت رام پوری کے رسالہ ''وہابیہ نجدیہ'' اور مولوی مہدی حسن کے رسالہ ''قطع الوتین'' کے جواب پر مشتمل ہے۔ مذکورہ دونوں رسالوں میں ۴۰ غلط اور گندے مسائل جو اہل حدیث کے ذمے لگائے گئے تھے مولانا نے کتب فقہ سے چالیس گندے مسائل کو نقل کر کے دکھایا ہے کہ یہ تمہارے مسائل ہیں نہ کہ اہل حدیث کے۔

(۵۹)......عقائدِ محمدی:

عقائد محمدی امام اہل السنہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے رسالہ عقیدہ اہل السنہ کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔

(۶۰)......عقیدہ محمدی:

عقائد سے متعلق یہ مولانا کی بہت اہم تصنیف ہے۔ مسلک اہل حدیث کا ثبوت دلائل سے دیا گیا ہے۔

(۶۱)......عیدِ محمدی:

اس رسالہ میں عورتوں کو عیدین میں نماز ادا کرنے کے لیے عید گاہ لے جانا سنت نبوی سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۶۲)......غنیۂ محمدی:

اس میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے وہ ملفوظات درج ہیں جن سے توحید وسنت کا اثبات اور خلاف شرع مسائل کی تردید ہوتی ہے۔ ساتھ ہی دلائل سے اس بات کا ثبوت پیش کیا گیا ہے کہ ''غنیۃ الطالبین'' حضرت شیخ کی ہی تصنیف ہے۔

(۶۳)......فتحِ محمدی:

یہ کتاب بھی چند دوسری کتابوں کی طرح فقہ حنفی کی تردید میں تحریر کی گئی ہے۔

(۶۴)......فتاویٰ محمدیہ:

یہ دراصل دین محمدی کے آخری حصے کی الگ خصوصی اشاعت ہے جس میں صحابہ کرام کے ۱۲۰۰ سوالات اور آپ ﷺ کے جوابات نقل کیے گئے ہیں۔

(۶۵)......فرمانِ محمدی:

اس رسالہ میں زیارتِ قبور کا مسنون طریقہ اور بدعات قبور کی تردید قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ سے کی گئی ہے۔

(۶۶)......فضائلِ محمدی:

امام خطیب بغدادی کی معروف کتاب ''شرف اصحاب الحدیث'' کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں حدیث کی حقانیت، صداقت ان کا خلیفۃ

الرسول، وصی الرسول اور ناجی فرقہ ہونا احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔

(۶۷)......فیصلہ محمدی:

اس رسالہ میں علم، نشان، پنجوں اور نذر و نیاز غیر اللہ کا شرک وممنوع ہونا قرآن وحدیث اور حنفی مذہب سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس بات کا ثبوت بھی پیش کیا گیا ہے کہ جنازے (میت) اور قبروں پر پھول ڈالنا خلافِ شرع ہے اور جو لوگ ان چیزوں کو جائز کہتے ہیں ان کا مکمل رڈ کیا گیا ہے۔

(۶۸)......قبیلہ محمدی:

یہ دہلی میں چھپنے والے ایک رسالہ ''المرشد'' کا جواب ہے جس میں نجد و اہل نجد اور قبیلہ بنوتمیم کی فضیلت اور بزرگی کے بارے میں وارد شدہ احادیث کا بیان ہے۔ اور جو روایت نجد اہل نجد کی برائی میں پیش کی جاتی ہے اس کے پورے سو جوابات دیئے گئے ہیں۔

(۶۹)......قربانِ محمدی:

(۷۰)......کراماتِ محمدی:

یہ ''رسالہ احکام شرع متین'' جو بنگلور سے شائع ہوا تھا اس کا مفصل جواب ہے۔ اس میں تبرکات پرستی کی بدعت کے خلاف بہت سے دلائل درج ہیں۔

(۷۱)......لؤلؤ محمدی:

''اخبار الفقیہ'' جلد ۲۳ میں ''مولوی محمد بشیر'' کا ایک مضمون بعنوان ''محمد نام نہ رکھو، محمد نام ہو تو بدل دو، محمد نام رکھنا بے ادبی و گستاخی ہے'' شائع ہوا تھا یہ کتاب دراصل اسی کا جواب ہے۔ اس میں محمد نام رکھنے پر ایک سو دلائل دیئے گئے ہیں۔

(۷۲)......مدتِ محمدی:

(۷۳)......مرحمت محمدی:

اس کتاب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اکراہ (زبردستی) کے ساتھ جو کچھ کسی سے کرایا جائے یا کہلوایا جائے، شرعاً نامعتبر ہے اور ایسے شخص کی اللہ کے ہاں پکڑ بھی نہیں۔

(۷۴)......مساجد محمدی:

(۷۵)......مشکوٰۃ محمدی:

یہ کتاب ایک غیر معروف حنفی عالم ''مولوی قربان علی شاہ حنفی قادری حیدر آبادی'' کی کتاب راہِ صواب کے جواب میں ہے۔ (راہ صواب مولانا جونا گڑھی رحمہ اللہ کی کتاب دلائل محمدی کے جواب میں لکھی گئی تھی) مشکوٰۃ محمدی میں عاملین بالحدیث پر لگائے جانے والے الزامات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ تقلید قیاس، شرک وبدعت، مروّجہ رسوم ورواج کی تردید بھی کر دی گئی ہے اور فقہ حنفی کے ایسے مسائل بھی ذکر کیے گئے ہیں جن کا جواب ہمیشہ سے مقلدین پر قرض چلا آ رہا ہے۔

(۷۶)......معراجِ محمدی:

اس رسالہ میں معراج کا پورا واقعہ صحیح احادیث سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر معراج جسمانی کا ثبوت دیتے ہوئے اس مہینہ میں مروّجہ بدعات کی تردید کی گئی ہے۔

(۷۷)......مقالہ محمدی:

اس رسالہ میں ایک سو دلائل سے غیبت، تجسس، ظن سوء وغیرہ کا تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔

(۷۸)......ملت محمدی:

اس میں تقلید کے دلائل کے جوابات اور مذہب اہل حدیث کی حقانیت اور مسائل فقہ کا خلاف حدیث ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ نیز مسائل فقہ کی پرزور دلائل سے تردید کی گئی ہے۔

(۷۹)......مملکت محمدی:

اس رسالہ میں ملوکیت کا ثبوت ہے اور اس کی وجہ سے سلطان ابن سعود اور اہل حدیث پر جو اعتراضات تھے ان کا جواب اور مخالفین کے دلائل کی تردید ہے۔

(۸۰)......مناظرہ محمدی:

یہ رسالہ اس مناظرہ کی روداد ہے۔ جو مولانا جونا گڑھی اور مولوی نظام الدین عرف ملا ملتانی کے درمیان ۱۳۴۳ھ میں بمقام ''اوان''، ضلع

ہوشیار پور (پنجاب) میں بعنوان تقلید شخصی ہوا تھا۔

(۸۱)......مولودِ محمدی:

(۸۲)......میلادِ محمدی:

اس کتاب میں قرآن وحدیث، اجماع، قیاس، فقہ، اصول فقہ اور چاروں اماموں کی ۵۰ ایسی دلیلوں سے جو سب کے نزدیک مسلمہ ہیں، ساتھ ہی مروّجہ مجلس میلاد وقیام میلاد کی تردید کی گئی ہے۔ نیز ۱۲ ربیع الاوّل کو دکانیں بند رکھنے، جلسے کرنے اور جلوس نکالنے کی بھی تردید کی گئی ہے۔

(۸۳)......نصیحت محمدی:

اس رسالہ میں توحید واتباع سنت کا ثبوت اور مروّجہ تعزیہ داری، قیام میلاد، رسومات میت، قبر پرستی، پکی قبروں اور گنبدوں کی تردید درج کی گئی۔

(۸۴)......نکاح محمدی:

اس میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے ایک ہی طلاق واقع ہونے کا مدلل ثبوت ہے۔ نان ونفقہ وغیرہ نہ دینے کی صورت میں علیحدہ ہوجانے اور گمشدہ خاوند کی عورت کا کسی اور سے نکاح کر لینے کے مسائل کو قرآن وحدیث کے سینکڑوں دلائل سے ثابت کیا ہے اور آخر میں بعض علمائے احناف کے فتاویٰ بھی درج کردیے گئے ہیں۔ جن میں محمدی طریق کی حمایت کی گئی ہے اور حنفی طریقے سے اظہار برأت۔

(۸۵)......نورِ محمدی:

اس رسالہ میں قرآن وحدیث، اقوالِ صحابہ، تابعین، مجتہدین، محدثین، صوفیاء کرام، اولیاء عظام، چاروں اماموں اور فقہ حنفی سے قوالیوں، راگ راگنیوں اور باجوں کی حرمت ثابت کی گئی ہے۔ اور قوالی کو جائز قرار دینے والوں کی تمام دلیلوں کا مکمل اور مدلل ردّ کیا گیا ہے۔

(۸۶)......وظیفہ محمدی:

اس رسالہ میں معروف کتاب ''الحزب المقبول'' (جو کہ اذکار واوراد پر مشتمل ہے) کی تہذیب وتنقیح کی گئی ہے۔

(۸۷)......وضوء محمدی:

اس میں سوتی، اونی جرابوں پر مسح کرنے کا ثبوت آپ ﷺ، خلفاء اربعہ، صحابہ کرام، تابعین اور چاروں ائمہ سے بیان کردیا گیا ہے۔

(۸۸)......ہدایت محمدی:

اس رسالہ میں ہدایہ کے ایک سو وہ مسائل جمع کیے گئے ہیں جو قرآن وحدیث کے سراسر مخالف ہیں۔ (یہ مکمل رسالہ ''درایت محمدی'' میں موجود ہے۔)

(۸۹)......تفسیر سورۃ فاتحہ:

مولانا جوناگڑھی نے ابن کثیر کے ترجمہ کے علاوہ ''تفسیر سورۃ فاتحہ'' الگ سے ایک تفسیر لکھی۔

(۹۰)......مرغ کی قربانی

(۹۱)......موت اور میت کے مسائل

(۹۲)......تقویٰ

(۹۳)......قبروں پر پھول

(۹۴)......مذمت سود

(۹۵)......محراب ومسجد

(۹۶)......رفع الیدین وامین

(۹۷)......زناکاری سے روک

(۹۸)......ملوکیت اور جمہوریت

(۹۹)......دیوبند کے کعبہ وقبلہ مولوی محمود الحسن کا تیار کردہ قرآن:

(۱۰۰)......عذاب الہون علی الفاتن والمفتون:

خواجہ حسن نظامی نے قوالی کے جواز پر ایک کتاب لکھی جس کا جواب مولانا نے تفصیل سے دیا پھر اس کا جواب نظامی صاحب کے کسی شاگرد نے دیا یہ کتاب اسی کے جواب الجواب میں ہے۔

(۱۰۱)......رکوع میں ملنے سے رکعت ہوجاتی ہے:

اس رسالہ میں مولانا کا ایک تحقیقی فتویٰ جو اخبار محمدی میں شائع ہوا تھا، درج کیا گیا ہے۔ دیگر علماء کے فتاویٰ بھی اس میں شامل ہیں۔



حاجی عبدالحق کی رحلت

محمد منیر اظہر

گزشتہ دنوں مدرسہ دارالحدیث وحفظ القرآن رحمانیہ ۴۰۵رگ ب کمیانہ کے بانی اور مہتمم حاجی عبدالحق صاحب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

موصوف ایک مخلص داعی، واعظ اور سرگرم دینی کارکن تھے اور انھوں نے پوری زندگی دعوت توحید وسنت اور علمائے حق کی خدمت کے لیے وقف کر دی تھی۔ علاقہ تاندلیانوالا اور نواح میں ان کی ذاتی کاوشوں سے کئی دینی منصوبہ جات مکمل ہوئے۔

حاجی صاحب مرحوم کے والد محترم میاں محمد دین تھے۔ گاؤں کے اکثر باسیوں کی طرح ابتدا میں وہ بھی پیر پرست تھے، ایک رات وہ مولانا ولی محمد رحمہ اللہ فتوحی والا کے ساتھ چک نمبر۴، جی، ڈی، نزد ڈھلیانہ، رینالہ خورد میں ٹھہرے۔ مولانا ولی محمد رحمہ اللہ بہت نیک سیرت بزرگ اور عالم دین تھے۔ ان کے اخلاق، زہد وتقویٰ اور دعوت سے متاثر ہو کر میاں محمد دین نے مسلک حق اہل حدیث قبول کر لیا۔

میاں محمد دین کے چھ فرزند تھے جن میں حاجی عبدالحق چوتھے نمبر پر تھے۔ حاجی عبدالحق صاحب نے عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم تقویۃ الاسلام اوڈانوالہ میں داخلہ لیا اور عرصہ چار سال تک کسب فیض کرتے رہے۔ دارالعلوم میں وہ معروف عالم دین شیخ الحدیث پیر محمد یعقوب قریشی رحمہ اللہ کے ہم درس تھے اور ان کو یہاں پر راسخ اساتذہ سے کسب علم کا موقع ملا جن میں حافظ محمد اسحاق اور مولانا عبدالرحمٰن لکھوی رحمہما اللہ شامل تھے۔

حاجی عبدالحق نے دور طالب علمی کے بعد اپنے گاؤں سے دعوت دین کا آغاز کیا۔ ابتدا میں گاؤں کی مشترکہ مسجد میں درس وتدریس کا کام شروع کیا۔ ۱۹۷۰ء میں انھوں نے مدرسہ دارالحدیث وحفظ القرآن رحمانیہ کی بنیاد رکھی۔ مدرسہ میں ابتدائی طور پر شعبہ حفظ وناظرہ قائم تھا۔ مدرسہ کے لیے تقریباً ساڑھے تین ایکڑ زمین حاجی عبدالحق کی والدہ نے وقف کی۔ اس کے بعد ان کی ہمشیرہ نے اڑھائی ایکڑ اور خود حاجی صاحب نے نو کنال زرعی اراضی وقف کی۔

اس علاقہ کی سعادت مندی تھی کہ ۱۹۷۷ء میں استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حافظ محمد عبداللہ بڈھیمالوی مدرسہ دارالحدیث میں تشریف لے آئے اور ان کی زندگی میں یہ ایک اہم علمی ودینی مرکز بنا۔ اس وقت مدرسہ میں مکمل درس نظامی اور شعبہ حفظ وغیرہ قائم تھے۔ اور تقریباً ڈیڑھ سو کی تعداد میں طلبہ زیر تعلیم رہتے تھے۔ حضرت حافظ صاحب اپنی وفات ۱۹۸۷ء تک یہیں پر خدمت انجام دیتے رہے اور ان کے بعد ان کے فرزند ارجمند حافظ محمد صاحب رحمہ اللہ نے صدر مدرس کے طور پر خدمات انجام دیں۔

حاجی عبدالحق صاحب ابتداء سے ہی علماء کے خادم اور مدرسہ کے منتظم تھے۔ وہ علماء کے خاندانوں کی مکمل کفالت کا بندوبست کرتے اور ہمہ وقت ان کی خدمت کے لیے حاضر رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے حافظ عبداللہ صاحب کی زندگی میں ہی جلہ چوک پر دو ایکڑ اراضی خرید کی گئی جس کے لیے انھیں بہت سی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ الحمد للہ آج اس جگہ پر ایک وسیع جامع مسجد تعمیر ہو چکی ہے اور شعبہ حفظ کے ساتھ ساتھ مڈل تک سکول بھی قائم ہے۔

موصوف نے زندگی بھر دینی اداروں کی بے لوث خدمت کی، اپنی ذاتی ضروریات کے لیے خود زمیندارہ کرتے تھے اور گنے کا کاروبار کیا کرتے تھے اور آخری سالوں میں طب کے پیشہ سے بھی وابستہ رہے۔ رفاہِ عامہ کے کاموں میں بھی پیش پیش ہوتے۔ انھوں نے گاؤں کے راستہ کے لیے سڑک کا رقبہ اپنی ذاتی زمین سے وقف کیا۔ اصلاح کا پہلو ان پر غالب تھا، علاقہ بھر میں وہ مظلوموں کی دادرسی اور مدد کے لیے

کوشاں رہتے تھے۔ ان کی ذاتی کوششوں سے کئی ناجائز مقدمات میں پھنسے ہوئے لوگوں کو رہائی نصیب ہوئی۔ کسی سائل کو بھی خالی ہاتھ نہ لوٹنے دیتے تھے۔

حاجی صاحب بہت نرم خو اور حسن اخلاق کا پیکر تھے۔ فرائض کے ساتھ ساتھ نفلی عبادات کا بہت شوق رکھتے تھے۔ شب زندہ دار تھے۔ جب کہ شرک وبدعت اور باطل کے خلاف ہمیشہ جرأت مند اور دلیر موقف رکھتے تھے اور جب بھی دینی حمیت کا مسئلہ ہوتا تو وہ باطل کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے۔ علاقہ بھر میں مساجد ومدارس کے قیام کے لیے تعاون فرماتے اور علماء کی ریکارڈ شدہ تقاریر کے ذریعے بھی تبلیغ کیا کرتے تھے۔

وفات سے چند روز پیشتر ان پر بیماری کا حملہ ہوا اور وہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کو علاج کی غرض سے عزیز فاطمہ ہسپتال فیصل آباد میں داخل کیا گیا۔ بالآخر ہسپتال میں ہی انھوں نے ۲۱ فروری ۲۰۰۹ء بوقت صبح نو بجے داعی اجل کو لبیک کہا۔ مرحوم کی نماز جنازہ مسجد مقدس گلستان کالونی میں حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ پھر ان کی میت کو گاؤں کی طرف لے جایا گیا۔ راستے میں مرکز الدعوۃ السلفیہ ستیانہ بنگلہ میں طلبہ واساتذہ نے ان کی نماز جنازہ ادا کی۔ امامت کے فرائض شیخ الحدیث مولانا عبداللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ نے ادا کیے اور بعد از نماز عصر ان کی نماز جنازہ ۴۰۵ گ ب کمیانہ میں مولانا عتیق اللہ سلفی حفظہ اللہ نے پڑھائی اور دور دراز سے جماعتی احباب اور دیگر اعزہ واقارب نے شرکت فرمائی۔

حاجی صاحب نے دو شادیاں کیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بیٹوں میں: ① مولانا عبدالرزاق صاحب فاضل جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن، ② قاری عبدالرحمٰن واسع فاضل دارالعلوم تقویۃ الاسلام اوڈانوالہ، ③ عبدالمنان صاحب حافظ قرآن ہیں۔ ان کی دینی لگن اور تربیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی بیٹیاں بھی اوکاڑا اور جھوک دادو کے جامعات سے فارغ التحصیل ہیں۔ اس وقت تمام بیٹے اور بیٹیاں شادی شدہ اور اپنے اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں۔

آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ مرحوم حاجی صاحب کو کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ اور نیکی اور بھلائی کے ان سرچشموں کو برقرار رکھے اور ان کے خاندان کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دینی اداروں اور علماء کی خدمت کے جذبہ سے ہمکنار فرمائے، آمین یا رب العالمین۔



جامعہ عمر ابن الخطاب منڈی جھبراں میں شیوخ کی آمد

۲۰۔ اپریل ۲۰۰۹ء بروز پیر منڈی جھبراں ضلع شیخوپورہ میں مولانا سید محمد حنیف شاہ صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال پر ملال ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ نیک سیرت خاتون تھیں۔ ان کی نماز جنازہ میں طلباء علوم دینیہ اور علمائے کرام ومدرسین کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ محمدیہ گوجراں والا کے معزز اساتذہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحمید ہزاروی، حضرت مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری، مولانا محمد رفیق سلفی، مولانا نجیب اللہ طارق، مولانا محمد صدیق مدن پوری ودیگر جامعہ عمر ابن الخطاب منڈی جھبراں میں تشریف لائے اور مدرسہ کے مہتمم مولانا حافظ محمد ایوب خالد سے جامعہ کے مختلف شعبوں کے متعلق گفتگو فرمائی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ [طلباء جامعہ ہذا]

جامعہ تعلیم الاسلام (ماموں کانجن) کا اعزاز

۲۶۔ اپریل ۲۰۰۹ء بروز اتوار جامعہ محمدیہ، چوک اہل حدیث، گوجرانوالہ میں اہل حدیث مدارس وجامعات کے طلباء کے مابین ایک تقریری مقابلہ بعنوان ''نبی کریم ﷺ بحیثیت جرنیل'' منعقد ہوا۔ طالب علم محمد بنیامین کو جامعہ کے استاد مولانا محمد سعید کی معیت میں مقابلے میں شرکت کے لیے بھیجا گیا۔ بحمد اللہ طالب علم نے اس مقابلے میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور ۵،۰۰۰ روپے نقد انعام حاصل کیا ہے۔ مولانا عبدالقادر ندوی (رئیس الجامعہ) نے اس کامیابی پر اظہار مسرت کیا۔

[ناظم جامعہ تعلیم الاسلام، ماموں کانجن]

مسلماں

اللہ کی وحدت کا پرستار مسلماں
ہر شائبہ شرک سے بیزار مسلماں
اللہ کی تائید پہ ہے اس کو بھروسا
کب کرتا ہے اس بات سے انکار مسلماں

اللہ نے بخشی اُسے دنیا کی قیادت
ہر وقت رہا قافلہ سالار مسلماں
دنیا میں ہے انصاف کے احساس کا داعی
انسان کی عظمت کا ہے معیار مسلماں

سرکارِ دو عالم کی تمناؤں کا مظہر
اور مقصدِ تخلیق کا اظہار مسلماں
دُنیا کے لیے باعث صد رحمت و رافت
عقبیٰ میں ہے جنت کا خریدار مسلماں

ہنگامِ وغا جذبۂ جانبازی سے سرشار
کفار کی گردن پہ ہے تلوار مسلماں
بت خانۂ دل اس کو کبھی راس نہ آیا
اس جذبہ سے ہر وقت ہے سرشار مسلماں

[طاہرقریشی]